دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه

نقوش اسلام

VOL.No.9 | دسمبر/جنوری ۱۵-۲۰۱۴ء (Dec.Jan 2014/15) صفر/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ | Issue.No.10,11

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا حسن مرچی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا محمد احمد صالح جی — الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا محمد زکریا پٹیل
مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر	مدیر انتظامی	مدیر معاون
محمد مسعود عزیزی ندوی	حافظ عبدالستار عزیزی	ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ.................... ۱۵/روپئے
سالانہ...................... ۱۸۰/روپئے
خصوصی...... ...... ۵۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood_azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ”نقوش اسلام“ مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: **09719639955**

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
زندگی کا مقصد اور ایک صالح معاشرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
ملفوظات		۵
حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ	مولانا ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی	
دعوت دین		۸
اصلاح نفس اور تزکیہ	مولانا سید بلال حسنی ندوی	
کردار وعمل		۱۹
طلبہ تحریک کے ذریعہ...... بدل سکتے ہیں	ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی	
تجزیہ		۲۲
اللہ تعالیٰ نفع پہنچانے والوں کو باقی رکھتا ہے	محمد مسعود عزیزی ندوی	
انکشاف		۲۴
وزیر اعظم کی قادیانی سرغنہ سے ملاقات	مولانا شاہ عالم گورکھپوری	
غور وفکر		۲۶
والدین اپنی اولاد کے درمیان انصاف قائم کریں	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
جائزہ		۲۸
بچوں کی تعلیم وتربیت اسلامی نقطہ نظر سے	مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی	
نقوش حیات		۳۰
مولانا سید محمد حسنی تحریروں...... کے آئینہ میں	محمد جواد حسنی، ویسٹ بنگال	
فکر ونظر		۴۱
اسلامی تہذیب کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟	مولانا سید طفیل احمد، علیگ	
سیرت نبوی		۴۴
ربیع الاول اور جشن ولادت نبی اکرمؐ	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۸
نئی کتابوں پر تبصرہ	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	

ماہنامہ ”نقوش اسلام“ کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
¼ صفحہ //		۴۰۰............

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۸۰؍روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

زندگی کا مقصد اور ایک صالح معاشرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

آج کل ملت اسلامیہ اور اسلامی تحریکات کے سلسلہ میں مختلف تنقید نگار گفتگو کرتے رہتے ہیں، اور اسلامی تحریکات کی ناکامی پر بحث کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں کے لئے اللہ تعالی نے ان کی کوششوں پر اجر کا وعدہ کیا ہے، اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو دو اجر ملتے ہیں، اگر کوشش میں بظاہر ناکام ہوجاتے ہیں تو ایک اجر پھر بھی ملتا ہے، یہ قاعدہ اگر چہ مجتہدین کے لئے ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ جو بھی نیک نیتی سے کسی اسلامی عمل کے سلسلہ میں کوشش کرتا ہے، اس کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے، کسی بھی عمل میں نیت کا رول اہم ہوا کرتا ہے، اور اسی پر اجر وثواب کا فیصلہ ہوتا ہے، نیت کے ساتھ دوسرا مسئلہ عملی جامہ پہنانے کا ہے، یعنی کسی کام کو عملاً کرنے کا ہے، کسی بھی تحریک، ادارے اور انجمن ہی نہیں بلکہ دنیا میں جس کام کو بھی لے لیجئے، نیت اور حسن عمل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

دس پندرہ سال پہلی بات ہے، ایک بزرگ سے ایک صاحب نے سوال کیا کہ فلسطینی لوگ ارض فلسطین کے لئے دشمنوں کے مقابلے میں ایک عرصے سے برسر پیکار ہیں اور اپنے ملک وملت کے لئے کوشش کررہے ہیں، لیکن ابھی تک ناکام ہیں، مگر افغانستان میں طالبان نے کوشش کی، تو وہ بہت جلد کامیاب ہوگئے، اور بڑھتے چلے گئے، تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ اہل فلسطین اپنے ملک ووطن کے لئے لڑرہے ہیں، اس لئے جلدی کامیابی نہیں مل رہی ہے اور طالبان اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑرہے ہیں، اس لئے ان کو کامیابی مل رہی ہے، اسی طرح ابھی چند دنوں قبل دو بزرگوں کی مجلس میں حاضری ہوئی، وہاں بھی اسی سلسلہ میں گفتگو ہورہی تھی، کہ اسلامی تحریکات آخر کیوں ناکام ہوجاتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ ناکامی کی وجہ اصل مقصد سے ہٹنا ہے، اسلام کا مقصد حکومت قائم کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک صالح معاشرہ کا وجود ہے، جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور فرائض کی ادائیگی اصل مقصد ہے، مگر چونکہ اس مقصد پر حکومت کے قیام کا مسئلہ غالب آجاتا ہے، جو مقصود نہیں ہے، اس لئے ناکامی ہوجاتی ہے، اسلام ایسے معاشرے کا خواہاں ہے، جو فرائض کا پابند ہے، اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ: ''اگر ہم ان مسلمانوں کو زمین کی حکومت عطا کردیں، سلطنت عطا کردیں، تو یہ لوگ نماز ادا کریں گے، زکوۃ دیں گے، اچھائیوں کا حکم کریں گے، برائیوں سے روکیں گے'' اور ایک اچھے معاشرے کو تشکیل دیں گے۔

جب ہم اسلامی تحریکات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کہیں نہ کہیں یہی سقم نظر آتا ہے، اگرچہ اسلامی حکومت کا قیام یا خلافت وملوکیت کا موضوع ایک معرکۃ الاراء بحث ہے، اوراس موضوع پر بہت سے مصنّفین اور محققین نے خامہ فرسائی کی ہے، اور بہت سے محرکین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق عملی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، بہت سوں نے جام شہادت نوش کیا ہے، بہت سوں نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور بہت سوں نے کامیابی بھی حاصل کی، اوراسلام کا سر بلند کیا، اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیا، اوراحقاق حق اور ابطال باطل کا کام کیا ہے۔

مگرموجودہ حالات کے تناظر میں سچی بات یہ ہے کہ اس وقت دنیا اخلاقی انارکی اور بے راہ روی کی منزل کی طرف رواں دواں ہے، گوکہ بہت سے تعلیم یافتہ اسلام کا مطالعہ کرکے اسلام کے حلقہ بگوش بھی ہورہے ہیں، اور آئے دن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، مگراس اضافے کے باوجود دنیا میں کوئی انقلاب، کوئی بیداری نہیں پیدا ہورہی ہے، ہرطرف ظلم وستم کی داستانیں رقم ہورہی ہیں، ہرطرف خرافات ہی خرافات ہے، اور مسلمانوں کی حیثیت ایسی ہورہی ہے جیسا کہ دسترخوان پر روٹی اور بوٹی کی، ہرایک ان کو ہڑپنا چاہتا ہے، اس لئے اب ضرورت ہے کہ ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے اور صالح معاشرہ نیک نیتی اور حسن عمل سے وجود میں آئے گا، اسلام کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا ہوگا، اور خود کو سوفیصد اسلام میں داخل کرنا ہوگا، اپنے انفرادی اوراجتماعی اعمال میں تحریک پیدا کرنا ہوگی، ایک جوش، ایک ولولہ اور ایک نیا جذبہ پیدا کرنا ہوگا، اوراپنی زندگی کے مقصد کو سمجھنا ہوگا، اسلام کے پیغام کو سمجھنا ہوگا، پھراس کے نفاذ کی کوشش کرنی ہوگی۔

جب ہر بندے کی یہ سوچ ہوگی اور ہرایک دنیا سے ظلم وبربریت کوختم کرنا چاہے گا، انصاف اورعدل کا ماحول قائم ہوگا، ایک دوسرے کے حقوق کو سمجھنے اوران کی ادائیگی کی فکر ہوگی، اللہ ورسول اور قرآن وحدیث کو اپنا مرجع وماٰ خذ اور فیصل ماننے کا جذبہ پیدا ہوگا، پھر انشاء اللہ ایک اچھے اور بااخلاق معاشرے کا وجود ہوگا اور یہ دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے گی، اللہ تعالی ایسے ہی حکمراں مسلط فرمائے گا، اور پھر جو مقصد حکومت کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ خود بخود حاصل ہوجائے گا، غرضیکہ ظلم کو معاشرے میں پنپنے نہ دیا جائے، ظلم ہی سب سے بڑا ایٹم بم ہے، جو معاشرے ہی کو نہیں بلکہ پورے پورے ملک کو بھی تباہ وبرباد کرکے رکھ دیتا ہے، اس لئے زندگی میں کسی پر بھی ظلم نہ ہو، اعلاء کلمۃ اللہ زندگی کا مقصد ہو، ہمارا جینا مرنا، چلنا پھرنا، اللہ تعالی کے دین کے لئے ہونا چاہئے اور ایک صالح معاشرے کی تشکیل میں پوری جدوجہد ہونی چاہئے۔

ملفوظات

ملفوظات

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

مولانا ڈاکٹر محمد حسین للہی

دین کے نام سے الگ جماعت بنانا:

حضرت نے فرمایا کہ جولوگ تبلیغ کے نام سے یا دین کی خدمت کے نام سے الگ جماعتیں بناتے ہیں، اس سے مسلمانوں میں تفریق اور پارٹی بندی پیدا ہوتی ہے، ابتداء میں تو کہتے ہیں کہ ہم دین کی خدمت کررہے ہیں، لیکن بالآخر دوسروں کو کافر کہنے لگتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا مرزائیوں کو دیکھو، ابتداء میں کہتے تھے کہ ہم اسلام کی صحیح خدمت کررہے ہیں، اب دیکھو ان میں اور ہم میں کتنا فرق ہے، کفر واسلام کا فرق ہے، بندہ ابتداء میں حکیم نورالدین سے ملا تھا، اس سے پوچھا آپ نے الگ جماعت کیوں بنائی ہے، کہنے لگا کہ ہم نیچریوں اور آریوں کو متحد بنانا چاہتے ہیں، لیکن آخر میں اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر کہنے لگے، ایسا ہی مودودی صاحب کی جماعت ہے، یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ چرب لسانی اور عبارت آرائی سے کچھ کام نہیں ہوتا، تکلف اور بناوٹ سے دین کی خدمت نہیں ہوتی، یہ لوگ غیر مقلد بھی ہیں، کہتے ہیں ہم سلطنت کریں گے، حالانکہ اتنا نہیں جانتے کہ یہاں اسلامی سلطنت کبھی نہ ہوگی (احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور سے قبل خلافت راشدہ کی قسم کی اسلامی حکومت کا قیام ناممکن ہے) اور اگر ہوئی بھی تو مسلمانوں کی سلطنت میں وہی قانون ہوگا جو نصاری کا ہے، ان کو معلوم نہیں کہ آج کل کوئی چھوٹی سلطنت کسی بڑی سلطنت کے ساتھ چلے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، جب پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے تو امریکہ یا یورپ کے ساتھ چلنے پر مجبور ہوگا اور یہ محتاج ہے، جب ان کے ساتھ ہوگا تو پھر قانون بھی انہی کا ہوگا، فرمایا یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ملک مل گیا، حالانکہ انگریز نے ان کو قصداً تقسیم کرکے دیا ہے تاکہ لڑتے رہیں، چنانچہ کشمیر کا جھگڑا درمیان میں چھوڑ کر چلا گیا، اب یہ کہتے ہیں ہمیں ملے، ہندوستان والے کہتے ہیں کہ ہمیں ملے، اسی طرح ہمیشہ جھگڑا ہوتا رہے گا، پھر مودودی جماعت کے متعلق فرمایا کہ جیسا کہ مرزائی کہتے تھے کہ ہم دین کی خدمت کرتے ہیں اور پھر ایک فرقہ بن گیا، حتی کہ کفر واسلام کا فرق ہوگیا، ایسا ہی مودودی جماعت کے لوگ بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا اختلاف کریں گے کہ دوسرے مسلمانوں کو کافر کہنے لگیں گے۔

خضر علیہ السلام کا مرتبہ زیادہ یا موسی علیہ السلام کا:

حضرت سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت موسی علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جائیں اور ان سے علم سیکھیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا مرتبہ حضرت موسی علیہ السلام سے زیادہ ہے؟۔

فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام کے علوم، حضرت موسی علیہ السلام کے علوم کے مقابلہ میں معمولی ہیں، حضرت موسی علیہ السلام کے پاس تو شریعت کے علوم تھے، جو بہت بلند پایہ ہیں، اور حضرت خضر علیہ السلام کے علوم مکشوفات کونیہ سے متعلق ہیں، جو معمولی علم ہیں، حضرت خضر علیہ السلام اگر حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان نہ لاتے اور ان کی شریعت کا اتباع نہ کرتے تو مسلمان بھی نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ حضرت موسی علیہ السلام صاحب شریعت نبی تھے، اور کسی صاحب شریعت نبی کے زمانے میں کوئی شخص جب تک اس شریعت کا اتباع نہ کرے اور اس نبی پر ایمان نہ لائے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، اسی لیے وہ ان کو بار بار ٹوک دیتے تھے اور فرماتے "لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا" حضرت موسی علیہ

السلام کو ان جیسے علوم کے نہ ہونے سے ان کے کمال میں کوئی فرق نہیں آیا اور جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس ان علوم کے سیکھنے کے واسطے بھیجنے کا تعلق ہے تو اس میں ایک حکمت تھی کہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ روئے زمین پر اس وقت سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ تو فرمایا کہ میں ہوں، اس پر تنبیہ کی گئی کہ ایسے علوم بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔

وہ شیطان تھا اور تمہیں علم سے محروم کر گیا:

حضرت سے سوال کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں خضر علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ ہمیں تو کبھی نہیں ہوئی، اور فرمایا کہو تو ایک واقعہ سنا دیتا ہوں، گلاوٹھی میں ہمارے ایک دوست پڑھا کرتے تھے، کہنے لگے کہ ایک رات میں مدرسہ کی طرف آ رہا تھا، باغ کے پاس سے گزرا تو ایک بزرگ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے، حسین چہرے والے، ہاتھ میں عصا لئے ہوئے ملے، دل میں ان کی طرف بہت کشش ہوئی، بعد میں جا کر اپنے استاد سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے پوچھا کیا اس نے تمہیں کچھ کہا؟ کچھ نہیں، دوسرے روز پھر ملے اور السلام علیکم کہا، تیسرے روز پھر ملے، اور معانقہ بھی کیا، اور کہا کہ تم قرآن شریف یاد کرو، انہوں نے اس بات کا پھر اپنے استاد صاحب سے ذکر کیا کہ بڑے بزرگ آدمی ہیں، دل بہت ان کی طرف کھنچتا ہے، استاد صاحب نے فرمایا کہ تم مانو گے تو نہیں مگر ایک بات کہتا ہوں کہ وہ شیطان تھا اور تمہیں علم سے محروم کر گیا کیونکہ اگر وہ کہتا، نماز نہ پڑھو تو تم کہتے ''لاحول ولاقوۃ'' اگر کہتا برے کام کرو، چوری کرو وغیرہ تو بھی تم ''لاحول'' پڑھتے، لیکن اس نے کہا کہ قرآن یاد کرو، مقصد اس کا یہ تھا کہ اس میں لگ کر علم پڑھنا چھوڑ دے گا اور قرآن بھی یاد نہیں کر سکے گا، کیونکہ ستر اسی سال کا بوڑھا قرآن کس طرح یاد کر سکتا، بالآخر ایسا ہی ہوا، اس نے نہ مانا، قرآن مجید یاد کرنا شروع کر دیا، چند دنوں کے بعد اس کا دماغ خراب ہو گیا اور سب کچھ چھوٹ گیا۔

اپنے قلب کی حفاظت کیا کرو:

حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی کی خدمت میں بہت سے آدمی حاضر ہوئے اور بے شمار مخلوق کا ہجوم تھا، آپ کے دل میں خیال گزرا کہ میں شیخ وقت ہوں، فوراً ایک دھکا لگا، ساری رات پریشان رہے، نیند نہیں آئی، صبح کو جنگل کی طرف نکلے، ایک شخص اونٹ پر سوار نظر آیا، قریب آیا تو کہنے لگا اے بایزید! چار ہزار میل سے آ رہا ہوں اور اب سورج نکلتے وقت یہاں پہنچا ہوں، ایک آنکھ کانی ہے اگر کھول دوں تو سارے جہاں کو غرق کر دوں، پھر فرمایا بایزید اپنے قلب کی حفاظت کیا کرو۔

تصوف نام ہے اخلاق حسنہ کے آنے کا:

حضرت نے فرمایا انسان میں جب تک مسکینی رہتی ہے تب تک ترقی ہوتی رہتی ہے، جب انسان کے دل میں یہ آیا کہ میں بھی کچھ ہوں تو بس وہیں رہ گیا، مشائخ کے پاس لوگ اسی لیے آتے ہیں کہ رذائل نکل جائیں اور فضائل پیدا ہو جائیں، شیخ طبیب ہوتا ہے، وہ سالک کے حالات پر نظر رکھتا ہے، مثلاً بخل ایک رذیلہ ہے وہ نکل جائے سخاوت پیدا ہو جائے، خودستائی وخودنمائی کے بجائے اپنے عیوب پر نظر ہو جائے، ذکر کرنے سے قلب میں انشراح پیدا ہوتا ہے اور اپنے عیوب پر نظر پڑتی ہے، ورنہ دوسروں کے عیوب تو نظر آتے ہیں اپنے عیوب نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں، اس لیے ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرے اور انعام خداوندی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اگر فضل وکرم نہ فرماتا تو میں کہیں کا بھی نہ رہتا، لوگ تصوف کو معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں، تصوف نام ہے اخلاق حسنہ کے آ جانے کا، جو بغیر صحبت شیخ کامل میسر نہیں آتے۔

اللہ کے یہاں قلب سلیم کام آئے گا:

پانی پت کے ایک مشہور قاری اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی ایک دفعہ حضرت کی خدمت اقدس میں تشریف لائے، حضرت نے فرمایا قاری صاحب! کچھ سناؤ، قاری صاحب جب سنا چکے تو فرمایا کہ یہ

قرأت کا سلسلہ پانی پت کے قاری عبدالرحمٰن صاحب سے چلا ہے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ انتقال کے بعد کیا گزری، انہوں نے فرمایا کہ یہاں قرأت کی پوچھ نہیں، یہاں تو قلب سلیم کی پوچھ ہے اور یہ آیت پڑھی:

"لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ"۔

مسلم بادشاہوں نے دین کی طرف توجہ نہ دی:

حضرت نے فرمایا کہ ہندوستان پر مسلمان بادشاہوں نے ہزار برس سے زیادہ حکومت کی، مگر ان میں سے اکثر عیش پرستی اور لذت پرستی میں مشغول رہے؛ لیکن دین کے لیے کچھ نہیں کیا محض ملک کی توسیع کیلئے فتوحات کرتے رہے اور احمد شاہ ابدالی کے متعلق تو یہاں تک مشہور تھا کہ "کھادا پیتا لاہے دا، رہیا احمد شاہے دا" یعنی جو کھا پی لیا وہ اپنا ہے، باقی احمد شاہ کا ہے، اسی طرح اکبر بادشاہ نے تو بالکل نئے دین کی بنیاد رکھ دی تھی، دین کے لیے صرف علماء اور اولیاء کرام نے کام کیا ہے، ہمارے بادشاہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اگر یہ حضرات توجہ کرتے تو اسلام کی بہت ترقی ہوتی اور ہندوستان میں مسلمان اکثریت میں ہوتے۔ ❁❁

اطلاع عام

دوروزہ فکری، تربیتی اوردعوتی سیمینار

ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے مسرت ہورہی ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ملحق مدارس کو تعلیمی، تدریسی واصلاحی میدان میں متحرک وفعال بنانے اور مدرسین کے اندر فن تدریس کے جوہر اجاگر کرنے کے لئے "مرکز احیاء الفکر الاسلامی" مظفر آباد، ضلع سہارنپور میں ۲۵/ ۲۶/ فروری ۲۰۱۵ء بروز بدھ/ جمعرات کو دو روزہ تربیتی سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، آپ سے درخواست ہے کہ اس اہم پروگرام میں اپنے ادارہ سے دو اساتذہ کو شرکت کے لئے ضرور بھیجیں۔

آپ کے ادارہ سے جو دو اساتذہ شرکت کریں گے وہ ۳۱/ جنوری ۲۰۱۵ء تک بذریعہ ڈاک ان کے ناموں سے کو مطلع کردیں، فون سے بھی اطلاع کی جاسکتی ہے، نیز قارئین حضرات اپنے قیمتی مقالات تحریر کرکے ادارہ کو ارسال فرمائیں، جن موضوعات پر مقالات پیش کئے جائیں گے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مدارس کے بارے میں میڈیا کا رول اور مدارس کی ذمہ داریاں
(۲) مدارس میں ادب عربی اور قواعد عربی کی تدریس، جائزہ اور تجاویز
(۳) دور حاضر کی باطل تحریکات اور مدارس کی ذمہ داریاں (۴) موجودہ حالات میں دعوت اسلامی کے امکانات اور تقاضے
(۵) موجودہ حالات میں مدارس اسلامیہ کی ذمہ داریاں (۶) تعلیمی ودعوتی میدان میں مدارس ملحقہ کی ذمہ داریاں
(۷) تدریس وتعلیم میں نفسیات کی اہمیت (۸) تحریک ندوہ ضرورت وپس منظر موجودہ حالات میں اس کی معنویت
(۹) کامیاب معلم کی خصوصیات (۱۰) طلباء کی اخلاقی تربیت موجودہ حالات کی روشنی میں
(۱۱) تدریس تفسیر کا منہج (۱۲) تدریس حدیث کا منہج (۱۳) ادب کی تدریس کا منہج

یا اسی طرح کے کسی ایک موضوع پر بھی لکھا جاسکتا ہے۔

رابطہ : مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

09719831058, 09719639955

دعوت دین

اصلاح نفس اور تزکیہ

یہ تقریر داعی الی اللہ حضرت مولانا سید بلال حسنی ندوی مدظلہ العالی کی ہے جو ۱۵؍فروری ۲۰۱۴ء کو ''دارالامور ٹیپو سلطان ریسرچ سینٹر'' میسور میں ہوئی تھی، افادۂ عام کی خاطر قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ مجھے تیسری مرتبہ قریب ہی زمانہ میں حاضر ہونے کا موقع مل رہا ہے، آپ علماء ہیں اور اس ادارے میں آپ اس لئے آئے ہیں کہ جو علم آپ نے حاصل کیا ہے اور جو روشنی آپ کو حاصل ہوئی ہے وہ آپ کی ہی ذات تک محدود نہ رہے بلکہ آپ روشنی کا مینار بن جائیں، اور آپ جس علاقہ میں بھی جائیں وہاں کے لوگوں کے لئے آپ کی زندگی مشعل راہ ہو اور لوگ آپ سے فائدہ اٹھاسکیں، ایک عالم کی یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاں بھی جاتا ہے روشنی بن کر رہتا ہے، اور وہ جہاں بھی جاتا ہے ایک بادل کی طرح ہوتا ہے، اس سے لوگ سیراب ہوتے ہیں، ایک بڑے شاعر نے یہ بات کہی کہ:

عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

اور آج اس کی ضرورت ہے کہ ساری دنیا میں جو مادیت کی آگ لگی ہوئی ہے، اگر طوفانی لفظ استعمال کروں تو شاید غلط نہیں ہے کہ ساری دنیا میں مادیت کی جو آگ لگی ہوئی ہے، اس آگ کو بجھانے میں اگر کوئی کردار ادا کرسکتا ہے تو ہمارے علماء ہیں، ان کے پاس وہ بادل ہے برسنے والا، جو ساری دنیا میں ناپید ہے، خواہ کسی بھی حیثیت سے لوگ ترقی کرتے چلے جائیں، آگے بڑھتے چلے جائیں، لیکن یہ ذمہ داری اور کوئی دوسرا ادا نہیں کرسکتا، جو حضرات علماء ادا کرسکتے ہیں۔

تصوف سے علیحدگی کے اسباب:

مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے سامنے حاضر ہوں اور مجھے آپ کے سامنے کچھ کہنے کا دوبارہ موقع مل رہا ہے، اس سے پہلے میں حاضر ہوا تھا اور پیام انسانیت کے تعلق سے میں نے کچھ عرض کیا تھا، آج کا جو موضوع ہے وہ ''تصوف وسلوک'' ہے، تصوف کا نام آتے ہی بعض مرتبہ دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ یہ ایک عجمی سلسلہ ہے اور اس کا دین سے اور اسلام سے شاید کوئی تعلق نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ تصوف کے نام پر اس وقت پوری دنیا میں جو خرافات ہورہی ہیں، بلکہ اور بڑھ کر کہا جائے کہ خرافات کے جو مرکز قائم ہیں اس کے ذریعہ سے ہر طرح کی بدعات عام ہورہی ہیں، ان کو فروغ دیا جارہا ہے، تو ظاہر ہے کسی ایسی چیز کا نام لینا بھی کسی خالص دینی اور علمی مجلس میں شاید مناسب نہ ہو لیکن آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تصوف اگر یہ کہا جائے کہ غیر اسلامی ہے تو شاید غلط نہیں ہوگا، تصوف کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں، یہی حال تصوف کا بھی ہوا جو حاملین تصوف ہیں، ان حاملین تصوف نے جو اصل تصوف کی روح ہے اس کو نکال دیا ہے، اور جو اس کا قشر ہے اس قشر کو ڈھور ہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے، جان نکل گئی، اور اس سے جو فائدہ پہنچنا چاہئے وہ فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے اور دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اسی کا نام تصوف ہے، جیسے اسلام کے بارے میں پوری دنیا کا ایک عمومی تاثر ہے کہ اسلام غلط خیالات پیدا کرتا ہے، یا صرف شدت پیدا کرتا ہے اور سکھاتا ہے اور خدا جانے کیا کیا غلط فہمیاں ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ مسئلہ اسلام کا نہیں، مسئلہ مسلمانوں کا ہے، غلطیاں جو مسلمانوں سے ہورہی ہیں، مسلمانوں کی زندگی جو دین کی غلط ترجمانی

کررہی ہے، اسلام کی غلط ترجمانی پیش کررہی ہے، اس کے نتیجہ میں لوگ اسلام سے بدگمان ہیں، حالانکہ اسلام اپنی جگہ پر ہے، اس کا کوئی مسئلہ نہیں، یہ بہت اونچی مثال میں نے آپ کے سامنے دی کہ تصوف کیا ہے؟ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو اسی دین کا ایک شعبہ ہے، دین کا ایک حصہ ہے، تو جو غلط فہمیاں اسلام کے بارے میں ہیں وہی غلط فہمیاں تصوف کے بارے میں ہیں اور اس لئے ہیں کہ جو حاملین تصوف سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے ایسا غلط طریقہ امت کے سامنے پیش کیا ہے کہ اس سے ہم لوگوں کے اندر غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

حقیقت تصوف :

آپ نے حدیث جبرئیل پڑھی ہوگی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مرتبہ ایک صاحب تشریف لائے، اجنبی نو وارد اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے بارے میں سوالات کئے، ایمان کے بارے میں پوچھا اور احسان کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات دیئے، قیامت کے بارے میں پوچھا اور قیامت کی علامتوں کے بارے میں پوچھا، یہ پانچ سوالات ہوئے، تو اسلام کے بارے میں آپ نے بتایا، ایمان کے بارے میں بتایا اور احسان کے بارے میں بھی بتایا، احسان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ“ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر ایسا ابھی تمہیں استحضار نہ ہو تو یہ تم سوچ ہی سکتے ہو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، اور جب تم بار بار اس کا استحضار کرو گے کہ تمہیں اللہ دیکھ رہا ہے، تم اللہ کے سامنے ہو تو ایک نہ ایک دن تمہارے اندر وہ کیفیت بھی پیدا ہو جائے گی کہ تم محسوس کرو گے کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو، تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، گویا کہ یہ ترقی کا زینہ ہے، جو اللہ کے رسول نے بیان فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کا ذکر کیا، اور احسان کہتے ہیں کسی کام کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینا، اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ اگر تمہیں ذبح کرنا ہو تو بہتر طریقہ سے احسان کے ساتھ ذبح کرو، اگر تمہیں قتل کرنا ہے تو احسان کے ساتھ قتل کرو، احسان کا مطلب کیا ہے؟ کام کو اچھے انداز سے، بہتر طریقہ پر انجام دینا، اس کا نام احسان ہے، ہمیں دو چیزوں کا مکلّف کیا گیا ہے ایک تو یہ کہ ہمارے عقائد درست ہونے چاہئیں، دوسرے یہ کہ ہمارے اعمال ٹھیک ہونے چاہئیں، عقائد کو ایمان کا نام دیا گیا اور اعمال کو اسلام کا نام دیا گیا، اور پھر ان دونوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ دونوں کے اندر احسان کی صفت ہونی چاہئے، جب دونوں کے اندر احسان کی صفت ہوگی تو اس سے آدمی کمال کی طرف آگے بڑھے گا، اسی لئے اس کے اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اس سے یہ حقیقت کھلتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ جبرئیل تھے جو تمہارے پاس آئے تھے ”یعلمکم دینکم“ اس لئے آئے تھے تاکہ ہمیں تمہارا دین سکھائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی ان تینوں چیزوں کے بارے میں دین کا لفظ استعمال فرمایا، اس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ ایک اسلام، ایک ایمان اور ایک احسان، عقائد، اعمال اور پھر ان دونوں میں احسان کی کیفیت، یہ تینوں چیزیں ان تینوں چیزوں کا مجموعہ ہم کو حاصل ہوگا تو پھر ہمارا دین مکمل ہوگا، اس کے بغیر دین ناقص ہے۔

احسان کی تعلیم کا فقدان :

اسلام کے بارے میں آپ جانتے ہیں فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اسی لئے ہیں تاکہ ہمیں اسلام کے بارے میں، اسلامی اعمال کے بارے میں، اسلامی شریعت کے بارے میں زندگی گزارنے کے طریقوں کے بارے میں آگاہ کریں، ہمیں بتائیں، اس کے باریک نکتوں سے ہمیں واقف کرائیں اور اسی طرح ایمانیات کے باب میں بہت کام ہوا ہے، علم کلام کی کتابیں بھی وجود میں آئی ہیں اور اس میں بعض مرتبہ حالات کے پیش نظر، ضرورت کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غلو کی حد تک ہم آگے بڑھے ہیں، اس کی ضرورت ہی کہاں

ہیں؟ جب ضرورت تھی تو تھی لیکن ضرورت اگر نہ ہو تو پھر اس حد تک ہمیں جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن بہر حال وہ ایک علم ہے جو وجود میں آیا اور آج بھی عقائد کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ہمارا اندر سے یقین کیسا ہونا چاہئے؟ اس کی ظاہری تشریحات کی جاتی ہیں، اس کی ضرورت بھی ہے تاکہ حدود متعین ہوسکیں، یہ دونوں علوم ہمارے سامنے ہیں لیکن جو تیسرا علم ہے، یا تیسرا جو حصہ ہے دین کا، جس کو احسان کہتے ہیں آپ آج احسان کے بارے میں ذرا غور کریں تو نہ ہمارے مدارس میں باقاعدہ اس کی تعلیم دی جاتی ہے اور نہ اس کے لئے باقاعدہ علمی ایسے کوئی ادارے ہیں، ایسی دانش گاہیں ہیں جہاں یہ بتایا جائے کہ احسان کیا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ احسان کی جو ظاہری شکلیں ہیں وہ ساری شکلیں تو ہمیں کتاب وسنت میں ملتی ہیں، اور اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہیں کہ فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں، لیکن یاد رکھئے کہ فقہ کی کتابوں سے آپ کو ظاہری شکلیں تو معلوم ہو جائیں گی جیسے کوئی پینسل سے اسکریچ کھینچیں، لکیریں کھینچے اور نقشہ بنائے، اس سے نقشہ تیار ہو جائے گا، لیکن جب تک کاغذ پر اس کے اندر رنگ نہیں بھریں گے، حسن پیدا نہیں ہوسکتا، اس کے اندر رنگ بھرنے کے لئے آپ کو دوسرا کام کرنا پڑے گا، یہی صورت ہے کہ وہ نقشے تو آپ کے سامنے تیار ہیں، فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، آپ کو سب بتا دیا گیا کہ نماز کس طرح پڑھی جائیگی اور اس کے آداب کیا ہیں؟ اس کی سنتیں کیا ہیں؟ اس کی جزئیات کیا ہیں؟ ساری باتیں بیان کردی گئیں، لیکن اندر کیفیت کیا ہونی چاہئے؟ یہ اس کا موضوع نہیں ہے، یہ موضوع علمی کتابوں کا بھی نہیں ہے، یہ موضوع وہ ہے کہ جس کا تعلق سراسر عمل سے ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر اور آج تک وہ جو عملی تسلسل ہے وہ تسلسل جاری ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

اسی لئے یہ بات کہی جاتی ہے ہمارے جو علم کے قدرداں ہیں بلکہ جو خواص ہیں، جو علم کی حقیقت تک پہنچنے والے ہیں، اور علم رساں ان کو اللہ نے دیا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ دیکھئے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ گویا ایک طرح کی تحقیق پیش کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر اور قیامت تک یہ تسلسل ہے، جو تسلسل قائم رہے گا، اور یہ اللہ کی کتاب کا حاصل کرنا اس کی تعلیم لینا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیم حاصل کرنا یہ ایک اہم ذمہ داری ہے لیکن جب تک یہ تعلیم رجال اللہ سے حاصل نہیں کی جائے گی، اس وقت تک ہمارے اندر وہ روح اور وہ طاقت پیدا نہیں ہوسکتی، جس کا تسلسل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ سے منتقل ہوتا ہوا جاری ہوا ہے، اور وہ قیامت تک جاری رہے گا، ورنہ تو یہ چوب خشک کی طرح ہے، جیسے خشک لکڑی ہو جس کے اندر جان نہ ہو، اور جب درخت پر لگی ہوتی ہے تو اس کے اندر جان ہوتی ہے، لوچ ہوتا ہے لیکن جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو وہ چوب خشک ہوتی ہے، ذرا سا بھی آپ اس کو ٹیڑھا کریں گے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اسی طرح ان علوم کا مسئلہ بھی ہے کہ وہ ہمیں الفاظ کی شکل میں یہ علوم پڑھائے جاتے ہیں، آپ کو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اور وہ کتابیں کیا ہیں؟ وہ کتابیں بھی اگر آپ دیکھیں تو مختلف علوم ہیں، ان علوم کے ہندسے ہیں، یہ غلط نہیں ہوگا، جیسے آپ دیکھتے ہیں ابجدی ترتیب پر جو حروف ہوتے ہیں، ان حروف کے ہندسے ہوتے ہیں، ان کی گنتی ہوتی ہے، تو یہ کتابیں جو آپ کو پڑھائی جاتی ہیں، یہ آپ کو وہ علم نہیں پڑھایا جاتا ہے، بلکہ علم سے آپ کو آشنا کرایا جاتا ہے، ایک طرح سے وہ علم جو ہے جس طرح الفاظ کے ہندسے ہوتے ہیں اسی طرح فنون کے، علوم کے ہندسے ہیں، وہ آپ کو پڑھائے جاتے ہیں تو نقوش ایک حد تک وہ آپ کو پڑھائے جاتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نقوش میں اس طرح الجھ کر رہ جاتے ہیں کہ پھر ہم بھول جاتے ہیں کہ اصل ان کی غایت کیا ہے؟ ان کا مقصد کیا ہے؟ ان کی روح کیا ہے؟ اس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ ان علوم کے حاصل کرنے والوں کے اندر نہ وہ ایمانی طاقت ہوتی ہے نہ وہ غیرت ہوتی ہے، نہ وہ حمیت ہوتی ہے،

اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے ہر چیز پر وہ تیار ہو جائیں گے۔

اپنے منصب سے واقف ہوں :

ہمارے علماء کا حال یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے ایمان بیچنے کو تیار ہو جاتے ہیں، ورنہ ایک زمانہ وہ تھا کہ جو علوم عقلیہ کہلاتے ہیں ان کو بھی حاصل کرتے تھے تو بھی ان کے سامنے ایک بلند مقصد ہوتا تھا، اور دنیا کی قیمت ان کے آگے بالکل دو کوڑی کی ہوتی تھی، ان کے سامنے اصل مقصد اللہ کی رضا کا ہوتا تھا اور اسی انداز سے وہ تیار ہوتے تھے، مولانا حیدر علی صاحب رام پوری کا وہ واقعہ حضرت مولانا نے دسیوں مرتبہ سنایا وہ معقولات کے عالم تھے، حدیث وقرآن کے بڑے عالم نہیں تھے، لیکن بریلی میں کالج کھلا اور وہ رام پور کے رہنے والے تھے مدرسہ میں بچوں کو پڑھاتے تھے، تو ایک مرتبہ یہ ہوا کہ بریلی میں کالج کھولنے والوں نے ان سے درخواست کی آپ منتقل ہو جائیں آپ کا بہترین فائدہ ہوگا، وہ ریاضی کے بڑے ماہر تھے انہوں نے بڑے بھولے پن سے کہا کہ بیس روپے مجھے ملتے ہیں وہ کہاں ملیں گے؟ تو انہوں نے کہ بیس نہیں تین سو روپے ہم دیں گے، تو کہا کہ نہیں ایک مسئلہ اور ہے کہ میں تازہ بیری کا صبح کو ناشتہ کرتا ہوں، تو انہوں نے کہا کہ کوئی مسئلہ نہیں ڈاک کا نظام بڑا اچھا ہے آپ کے گھر کے درخت کی بیری روز صبح آپ کو بریلی پہنچائی جائے گی، جہاں آپ مقیم ہوں گے آپ کو وہاں دیا جائے گا، تو کہا یہ طلبہ پڑھ رہے ہیں، ان کا نقصان ہو جائے گا، تو کہا کہ ان کو کالج میں داخلہ دیں گے، اور سب کو وظیفہ دیا جائے گا، تو آخر میں کہا کہ اگر قیامت میں اللہ نے پوچھا کہ تم یہاں سے بریلی اس لئے آگئے تھے کہ وہاں تنخواہ اچھی ہوگی؟ تو اس کا ہم کیا جواب دیں گے؟ تو انگریز نے کہا اس کا جواب تو میرے پاس بھی نہیں، یہ مزاج جس کو روح کہتے ہیں آج وہی ہمارے یہاں مدارس میں جہاں خالص کتاب وسنت کی تعلیم ہوتی ہے، یہ مزاج ہمارے یہاں سے نکل کر رہ گیا ہے، اس کی بہت شدید ضرورت ہے کہ وہ روح پیدا کی جائے۔

تصوف کا دوسرا نام احسان :

میں جو بات عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ جو تصوف ہے اس کی شکلیں بعد میں بگاڑی گئی ہیں، حقیقت میں یہ تصوف اسی احسان کا نام ہے، اس کو تزکیہ کہہ لیجئے، یا تصوف یا احسان کہہ لیجئے، اسی لئے حضرت مولانا کی جو کتاب ہے، اس میں حضرت مولانا نے دونوں الفاظ استعمال کئے ہیں : ''تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک'' تزکیہ واحسان ہی تصوف وسلوک ہے، اس کا ایک نام رکھ دیا گیا ہے، اب صرف نام دیکھ کر آدمی بگڑ جائے تو ظاہر ہے نعمت سے وہ محروم ہو جائے گا، اسلئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کے پیچھے کیا نعمت چھپی ہوئی ہے؟ اور اس کو جو گرد وغبار لگ گیا ہے اس کو صاف کر کے اس نعمت کو ہمیں حاصل کرنیکی ضرورت ہے، تو یہ جو تصوف ہے یہ ایک ہماری بنیادی ضرورت ہے، دین کا ایک اہم حصہ ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے دین کا مغز ہے، یہ دین کی روح ہے، ایمانیات کے باب میں بھی اور اسلام کے باب میں بھی، جب تک یہ تصوف داخل نہ ہو اور احسان کی کیفیت پیدا نہ ہو، اس وقت تک ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔

باطنی کیفیت کو پیدا کریں :

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّيْ'' کہ مجھے جس طرح تم نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح پڑھو، اس میں دونوں باتیں ہیں، ایک تو ظاہری طریقہ کے بارے میں ارشاد فرمایا اور دوسرے گویا کہ آپ نے اس کی وضاحت بھی کی ہے کہ جو باطنی کیفیات ہیں جس کا کبھی کبھی جام چھلک جاتا ہے، حدیثوں میں آتا ہے: ''له أزيز كأزيز المرجل'' یہ جام ہے جو چھلک گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس باطنی کیفیت کو بھی پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اس خشوع وخضوع کو بھی پیدا کرنے کی ضرورت ہے، یہ نماز کوئی چوب خشک نہیں ہے، ہمارے مولانا نے ارکان اربعہ میں لکھا ہے کہ نماز کا معاملہ ایسا ہے کہ نماز پورے جسم پر فرض ہے، روح پر فرض ہے، قلب پر فرض ہے،

دماغ پرفرض ہے، اور چاروں کا حصہ ہے نماز میں، اگر ایک بھی اپنا کام نہ کرے، تو نماز ناقص ہے، جسم پر جو نماز فرض ہے، اس کا طریقہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ملتا ہے، اور فقہ کی کتابوں میں ہمارے سامنے ساری تفصیلات ہیں، اسی طرح جو حصہ دماغ کا ہے، اس کو بھی اختیار کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، ہم نماز پڑھتے ہیں، آیات پڑھتے ہیں ان پر غور کرنا اور ان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا، اور اس کے ساتھ ساتھ قلب کا بھی حصہ ہے کہ آدمی نماز پڑھے تو اس کے اوپر خشوع کی کیفیت طاری ہو جائے، اور وہ سوچے کہ اپنے مالک کے سامنے وہ کھڑا ہے اور جب کوئی کسی بڑے کے سامنے جاتا ہے اور وہ کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے، وہ دیکھ کر طاری ہوتی ہے اور یہاں جو کیفیت ہے وہ اگر چہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن نگاہ بصیرت تو اللہ نے دی ہے، اس نگاہ بصیرت سے محسوس کرلے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے، اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے کھڑا ہے، تو یہ ایک حصہ ہے، جو اس کو حاصل ہونا چاہئے، اسی طرح روح کا بھی حصہ ہے نماز میں، جو ان چیزوں کا مجموعہ ہے، جب یہ ساری چیزیں حاصل ہوتی ہیں تو نماز مکمل ہوتی ہے، تو یہ اسی طرح جو تمام اعمال ہیں دین کے، اس میں ہمیں ان تمام چیزوں پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے تو جو قلب کا حصہ ہے وہ اگر دیکھا جائے تو قلب بادشاہ ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب قلب کی اصلاح ہو جاتی ہے تو پورے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے، اور میں عرض کرتا ہوں کہ قلب کی حیثیت بادشاہ کی ہے، اور دماغ اس کا وزیر اعظم ہے، قلب حکم دیتا ہے اور دماغ اس کو نافذ کرتا ہے، اس لئے کہ جو قلب ہے اللہ تبارک وتعالی نے سب سے زیادہ بلند اسی کو رکھا ہے، اسی لئے حدیث میں یہ بات کہی گئی کہ اس کی اصلاح ہوتی ہے، تو پورے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے، جو قلب حکم دیتا ہے، دماغ اس کے مطابق ہی نفاذ کرتا ہے، دماغ اس کے خلاف نہیں سوچ سکتا، اب اگر دماغ پر ہی ساری محنت کی جائے تو یقیناً قوت نافذہ بڑھتی چلی جائے گی، لیکن اگر دل پر محنت نہ ہو تو پھر اس کا نقصان یہ ہے کہ آدمی کے اندر بلند اخلاق، صحیح انسانیت پیدا نہیں ہوگی، جو میں نے ابھی کہا، اس کی مثال عرض کی کہ بندوق بنائی تو آجائے گی لیکن چلانی نہیں آئیگی، آدمی بندوق بنالے گا اور ایسوں کو مارے گا جو اس کے چہیتے ہیں، ہوسکتا ہے اپنے باپ اور ماں پر بندوق چلادے، اس لئے کہ اس کا دماغ تو ہے لیکن اس کے پاس دل نہیں ہے، سوچنے کی صلاحیت تو اس کے پاس ہے لیکن کس طرح سوچا جائے؟ اور سوچ کو کس طرح ٹھیک کیا جائے؟ کیسے اس کے اندر پختگی، وقت پیدا کی جائے یہ چیز اس کے اندر نہیں ہوگی۔

عقل اور قلب کی آمیزش ضروری ہے:

ہمارے حضرت مولانا کی بڑی خصوصیت یہ ہے اور وہ خصوصیت آپ کو ہندوستان میں بہت کم نظر آئے گی، وہ ہے کہ مولانا نے قلب ودماغ کو جمع کیا، ورنہ اس وقت مصنّفین کی جو کتابیں ہیں، کہیں آپ کو وہاں عقل نظر آئے گی اور ہوسکتا ہے کہ کہیں پر صرف قلب نظر آئے، قلب اور عقل کی جو آمیزش ہے اور اس کا جو ایک خاص قسم کا دوآتشہ تیار کیا ہے یہ ہمارے حضرت مولانا نے کیا ہے اور یہ قلب کو جب تک آپ شامل نہیں کریں گے، عقل بہت کچھ آپ کو آمادہ کرے گی، فکر کے اندر ہوسکتا ہے، بہت کچھ پختگی پیدا کرے، لیکن پوری طرح فکر میں بلندی جب ہی پیدا ہوگی جب قلب کے اندر پوری طرح سے نرمی پیدا ہو جائے، روئیدگی پیدا ہو جائے، اور قلب کی جو زمین ہے اس پر اس طرح سے ہل چلایا جائے کہ وہ کاشت کے قابل ہو جائے، تو یہ ایک اہم ہمارے دین کا حصہ ہے جس کو آپ احسان کہتے ہیں، احسان کے معنی ہی کام کو بہترین طریقہ پر کرنا ہے اور یہ جو سلوک ہے اس کے معنی ہیں کہ کسی راستہ پر لیکر چلنا، کسی راستہ پر اپنے آپ کو لیکر چلنا، یہ تصوف وسلوک اس کو اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ ایک راستہ ہے جس کو آپ تزکیہ بھی کہہ سکتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو مزکی کرنا، آراستہ کرنا۔

تزکیہ مقاصد بعثت میں سے ایک ہے:

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں تزکیہ کا لفظ جابجا استعمال

فرمایا اورنبوت ورسالت کے مقاصد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات ارشادفرمائی ہے:" هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ"۔(سورہ جمعہ آیت۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو رسول بھیجا ہے،اس کے تین کام ہیں: ایک کام تلاوت کتاب کا ہے، دوسرا کام تزکیہ کا ہے اور تیسرا کام تعلیم کتاب وحکمت کا ہے، ترتیب کا آپ فرق دیکھیں گے، کہیں تزکیہ نمبر دو پر کہیں تین پر ہے، تعلیم کتاب وحکمت کا ذکر پہلے اور تزکیہ کا بعد میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کتاب تو بچپن کی بات ہے کہ بچہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا تو آپ پہلے مرحلہ میں تلاوت کتاب کا عمل کرتے ہیں، اس کے بعد کا جو مرحلہ ہے اگر یہ بات کہی جائے تو غلط نہ ہو کہ پھر اس کے بعد تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ ان دونوں کو ساتھ لیکر چلنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اگر صرف تعلیم کتاب وحکمت کا عمل ہوا اور تزکیہ کا عمل نہیں ہوا تو آپ کا برتن صاف نہیں ہوگا، اور جب برتن صاف نہیں ہوگا، اس پر آپ کتنی ہی قیمتی چیزیں ڈل دیں تو وہ بھی گندی ہوجائیگی، اس لئے کہ برتن گندا ہے، آپ صاف ستھرا پانی ڈالیئے، اعلیٰ قسم کا مشروب ڈال دیجئے، اور برتن کو ڈھک دیجئے، وہ مشروب کتنا ہی صاف ستھرا ہو لیکن اگر برتن گندا ہے تو مشروب کو گندا کردے گا اس کے لئے برتن کو صاف ستھرا کرنے کی ضرورت ہے، اس کی ایک مثال بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی کہ جو نااہل ہیں ان نااہلوں کو علم دینا اس طرح ہے جیسے خنزیر کو زیورات پہنائے جائیں، اس گندے جانور کو آپ بہت اعلیٰ قسم کے زیورات پہنا دیجئے، لیکن کیا اس کے حسن میں کچھ اضافہ ہوگا؟ بلکہ زیورات کی ناقدری ہوگی اور لوگ کہیں گے کہ ایسا کرنیوالا بے عقل بے سمجھ ہے، کیونکہ زیورات پہنانے کے لئے یہ جانور نہیں۔

علوم کا اهل هوناضروری هے:

میرے بھائیو! اس مثال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا بات واضح کردی کہ پہلے اندر صلاحیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ علامات قیامت میں سے ہے کہ نااہل کو علم دیدیا جائے، آج یہی صورت حال ہمارے سامنے مدرسوں میں ہے، جو بچے تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں، ان میں اکثریت نااہلوں کی ہوتی ہے، جو اس علم کی اہمیت کو نہیں جانتے، اور اس کی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرسکتے، وہ عام فنون کی طرح انجینئرنگ کی طرح اور ڈاکٹری کی طرح، دوسرے علوم کی طرح، اس کتاب وسنت کے علم کو بھی سمجھتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں اور جس طرح ان فنون سے آدمی دنیا حاصل کرسکتا ہے، اسی طرح اس علم سے بھی وہ دنیا حاصل کرنے کی نیت لے کر آتے ہیں، انہی اداروں کے ساتھ آتے ہیں، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ علم کے اندر ایسی بے برکتی پیدا ہوجاتی ہے کہ بجائے علم کی روشنی بننے کے، مفید بننے کے، یہ آدمی کے لئے بہت ایک نہایت زہر کی پھڑیا بن جاتا ہے، اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا کے لئے علم حاصل کیا جائے گا:"لم یجد عرفۃالجنۃ یوم القیامۃ" وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا، اس دین کے ذریعہ سے اور علم دین کے ذریعہ سے جو دنیا کمائے گا، اس کو جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی، وہاں تو جنت کی خوشبو نہیں ملے گی، اور یہاں دین کی اس کو ہوا نہیں ملے گی، اس کے اندر دین کا مزاج کہاں سے پیدا ہوگا؟ تو اس لئے یہ سب سے پہلا مرحلہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی کوشش کریں، اپنا تزکیہ کرنے کی کوشش کریں تاکہ جو علم ہم کو خالص اور صاف ستھرا دیا جائے اس علم کو ہم گندا نہ کردیں، اس علم سے بجائے فائدہ اٹھانے کے کہیں ہم نقصان نہ اٹھائیں، اور دوسروں کو نقصان پہنچانے والے نہ ہوجائیں۔

کیفیت احسان ضروری هے:

یہ جو تصوف کا علم ہے، یہ ہماری ایک ضرورت ہے اس کے بغیر احسان کی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی اور یہی نتیجہ ہے، آج ہمارے بڑے بڑے علماء فارغ ہورہے ہیں اور ان کے پاس علم کی گہرائی ہے، بڑی حدتک وہ علوم کے ماہر ہیں، لیکن اگر تزکیہ کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی ہے

اورنفس کو آراستہ نہیں کیا گیا تو اس کے نتیجہ میں کیا کچھ ہوتا ہے، ساری لڑائیاں، سارے جھگڑے اور اپنی بات پر بے ضرورت جمنا اور اڑنا اور انانیت کا پیدا ہونا، یہ سب نتیجہ ہے اسی بات کا کہ علم تو آ گیا لیکن اس کے اندر کی جو روح ہے اور ایمان کی جو اصل طاقت ہے وہ طاقت پیدا نہیں ہوئی، نفس کا وہ تزکیہ نہیں ہوا، اس کے نتیجہ میں علم سے جو صحیح فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا وہ فائدہ نہیں اٹھایا جا پاتا، اسی لئے میرے بھائیو! یہ احسان کی جو کیفیت ہے اس کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے، اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔

عملی میدان میں آئیں:

میں عرض کروں آپ سے کہ یہ بات سوچنے سے صرف حاصل نہیں ہوتی، ارادہ سے نہیں ہوتی، ارادہ کا فائدہ یہ ہے کہ ارادہ کرنے کے بعد آدمی قدم آگے بڑھائے لیکن کوئی صرف ارادہ کرلے اور کرنے کے بعد اپنی جگہ پر ٹھس ہوجائے اور یہ کہے کہ میں اس گھر میں جانا چاہتا ہوں، لوگ کہیں گے آپ کا دماغ خراب ہے، آپ جانا چاہتے تو آپ قدم بڑھایئے، آپ قدم بڑھا کر چلئے، اور چل کر وہاں پہنچنے کی کوشش کیجئے، آپ وہاں پہنچ جائیں گے، لیکن اگر آپ کھڑے رہیں اور کہتے رہیں کہ ہمیں وہاں پہنچنا ہے زندگی بھر آپ اس گھر میں نہیں پہنچ سکتے ہیں ارادہ کے بعد قدم بڑھانے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں یہ جو میدان ہے تزکیہ کا، سلوک کا، تصوف کا اور احسان کا، اس میں دو تین باتیں بہت اہم ہیں اور بنیادی ہیں، ایک تو یہ کہ ذکر کا اہتمام ہونا چاہئے بغیر ذکر کے اہتمام کے آپ اس میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔

نیک صحبت ضروری ہے:

دوسری بات یہ کہ آپ کو ایسے لوگوں کی صحبت ملنی چاہئے جو اصحاب قلوب ہیں جن کو اللہ نے ایسا دل دیا ہے، جس دل کے اندر ایمان ہے، جس دل کے اندر روشنی ہے، جو دل تڑپتا ہے، جس دل کے اندر محبت ہے، جس دل کے اندر درد ہے، جب آپ اس دل کے قریب ہوں گے تو آپ کے دلوں کے اندر بھی وہ کیفیت پیدا ہوں گی جو کیفیت مطلوبہ ہے، جیسے میں نے عرض کیا کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، ایک چراغ آپ تیار کر کے رکھ دیجئے تیل بھی ڈال دیجئے، صاف ستھرا بھی کر دیجئے، لیکن جب تک آپ اس بتی کو آگ کے قریب نہیں لے جائیں گے، دوسرا جو چراغ جل رہا ہے، اس کے قریب نہیں لے جائیں گے اور بتی کو اس جلتی ہوئی بتی سے تیز نہیں کریں گے اس وقت تک کبھی بھی چراغ جل نہیں سکتا، چاہے کتنا ہی اعلیٰ قسم کا تیل ڈال دیجئے، زیتون کا تیل ڈال دیجئے، لیکن اس کے بعد بھی جب تک کہ آپ اس میں آگ نہیں لگائیں گے یا اس چراغ کے قریب نہیں لیجائیں گے جو چراغ جل رہا ہے، آپ کا چراغ جل نہیں سکتا، آپ نعرے لگاتے رہئے کہ خدا کرے چراغ جل جائے، میں نے چراغ جلنے کے لئے تیار کیا ہے، ہزار کہئے لیکن وہ چراغ جب تک نہیں جلے گا کہ آپ بتی کے قریب نہ لے جائیں، اس لئے ان اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا جن کے چراغوں کو اللہ نے روشنی دی ہے، اور جن چراغوں کی روشنی میں اللہ کے ہزاروں بندوں کو صحیح راستہ مل رہا ہے، ان کی صحبت میں رہنا، ان سے فائدہ اٹھانا، ان کے چراغ سے اپنے چراغ کو روشن کرنا، یہ تبھی ممکن ہے جب آپ چراغ کو ذرا سا جھکایئے اور جھکا کر اس جلتے ہوئے چراغ کے قریب لے جایئے، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ آپ کو اپنے چراغ کو جھکانا پڑے گا، تھوڑی سی تواضع اختیار کرنی پڑے گی، کچھ ادب سے کام لینا پڑے گا، یہ جو راستہ ہے یہ راستہ ایثار اور تواضع کا ہے، ادب کا راستہ ہے، اور بغیر اس کے حاصل کئے ہوئے آپ اس میدان میں ہرگز نہیں بڑھ سکتے۔

ہمارے بڑے بڑے عارفین نے یہ بات لکھی ہے کہ یہ اولیاء اللہ کا جو حال ہوتا ہے، اہل قلوب کا وہ ٹیلوں کی طرح ہوتے ہیں، جیسے بلندی ہوا س کے جیسے علم کے، دین کے اور روحانیت کے ٹیلے ہوتے ہیں، اس طرح ان کی مثال ٹیلوں کی ہیں، جن پر اللہ کی رحمت بار بار اور ہمیشہ برستی رہتی ہے، آدمی اگر وہاں جاتا ہے، اور ترفع لیکر جاتا ہے،

تکبر کا کیڑا لیکر جاتا ہے، اس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا لیکن جب وہ فنائیت لیکر جاتا ہے، وہ نشیب بن کر جاتا ہے، تو جو رحمت کی بارش وہاں پر ہورہی ہے وہ بارش کچھ اس کے پاس بھی آتی ہے، وہ بہہ کر پانی اس کے برتن میں، اس کے ظرف میں بھی آتا ہے اور اس سے اس کو فائدہ ہوتا ہے، تو یہ اس کے آداب میں سے ہے، کہ آدمی بھی صحبت اختیار کرے تو تواضع کے ساتھ اختیار کرے، کچھ لینے کے لئے جائے، اپنے آپ کو برتن بنا کر جائے، ظرف بنا کر جائے، انشاءاللہ اس کے برتن میں بہت کچھ آئے گا، تو اس لئے ایک تو یہ کہ ذکر کا کچھ اہتمام ہو اور دوسرے یہ کہ نیک صحبت کا اہتمام کیا جائے اور اس کا بہت بڑا اہلکا بدل یہ بھی ہے کہ ایسے لوگوں کے حالات کو تازہ کیا جائے، ایسے لوگوں کی سوانح دیکھی جائے، ان کے تذکرے دیکھے جائیں جو خود اس صف کے لوگ ہیں اور ان کے حالات جو لکھنے والے حضرات ہیں وہ بھی اسی سطح کے لوگ ہوں، اس لئے کہ منصف کتاب لکھتا ہے ''کتاب تیار رکھی ہے، بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اس سے جو حاصل کرنا چاہیں کرلیں گے، لیکن مصنف جو کتاب لکھتا ہے اس کتاب کے اندر اس کی شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے، اس کے افکار جلوہ گر ہوتے ہیں، اس کی صفات جلوہ گر ہوتی، وہ صرف الفاظ کا ہیر پھیر نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر جو کیفیت ہے وہ کیفیت اس کے الفاظ کے اندر پرو دی جاتی ہے، اور آدمی جب وہ الفاظ پڑھتا ہے تو صرف الفاظ نہیں پڑھتا، وہ کیفیت پڑھنے والے کے اندر منتقل ہوتی ہے، وہ چاہے شعور میں ہو، اور چاہے لاشعور میں ہو، اس لئے حالات کا مطالعہ کرنا اور ایسے مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کرنا کہ جو اسی صفت کے لوگ ہوں یہ نیم صحبت کا کام کرتا ہے، یہ گویا کہ نصف صحبت ہے، اہل اللہ کی صحبت اگر میسر نہیں تو کم از کم روشنی کے ساتھ ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جس سے آدمی کے دل کی دنیا بدلے، اس کے دماغ کی کیفیت بدلے، اس کے اندر جو ایک سوتا ہوا انسان ہے، وہ انسان جاگ جائے، اور اس کے دل میں درد اور محبت کے چشمے پھوٹنے لگیں، ایسے حالات پڑھے جائیں، ایسی شخصیتوں کو دیکھا جائے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ اگر موقع ملے تو ایسے لوگوں سے کچھ وقت کم سے کم جا کر ان کے پاس رہ کر ان سے کچھ سیکھا جائے، اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی کوشش کی جائے۔

اذکار ڈاکٹری نسخوں کی طرح ھیں:

اس لئے یہ جو اذکار ہیں، ان اذکار کی بھی حیثیت نسخوں کی ہوتی ہے، جیسے حکیم نسخے لکھتا ہے اور مریضوں کو دیتا ہے اور نسخوں سے فائدہ ہوتا ہے، اس کے لئے حکیم سے مشورہ کرنا اور اس کی رائے کے مطابق اس کو عمل میں لانا، یہ آدمی کے لئے مفید ہوتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس کے لئے ایسے لوگوں سے رجوع کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں اور جو اندر امراض ہیں جو امراض باطنی کہلاتے ہیں جن کا بعض مرتبہ ہم کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ کون مرض ہمارے اندر پنپ رہا ہے؟ ان امراض کو دیکھا جائے، بتایا جائے اور ان کا علاج کرایا جائے، جب تک ان امراض کا علاج نہیں کرایا جائے گا، اس وقت تک بعض مرتبہ امراض دور نہیں ہوتے، دیکھئے امراض کئی طرح کے ہوتے ہیں، بعض امراض وہ ہوتے ہیں کہ عام دوائیں فائدہ کر جاتی ہیں، آپ کہیں دوکان پر جائیے نزلہ ہے، زکام ہے، آپ جا کر ٹیبلیٹ لے لیجئے، کسی سے نہ پوچھئے انشاء اللہ فائدہ ہوجائے گا، اگر کوئی پیچیدگی ہے اس میں فائدہ نہیں ہوتا تو نہ ہو لیکن عام حالات میں فائدہ ہوجاتا ہے، اسی طرح اذکار میں بھی دیکھو کہ عام اذکار سے، استغفار سے، درود شریف سے اور دوسرے جو اذکار ہیں ان سے عمومی فائدہ ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی ایسا مرض ہے جو اندر ہی اندر پنپ رہا ہے، جس کا بعض مرتبہ اس کو احساس بھی نہیں ہوتا، جس کے اندر وہ مرض ہوتا ہے تو اس کے لئے باقاعدہ آپ کو ڈاکٹر کو دکھانا پڑتا ہے، اسی طرح کسی اللہ کے بندے سے اس کا باقاعدہ لگ کر علاج کرانا پڑتا ہے، تب وہ مرض دور ہوتا ہے، اور اگر اس کی فکر نہیں ہوگی تو کبھی ہوسکتا ہے کہ وہ کینسر بن جائے، کبھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایسا مہلک مرض بن جائے جس کے نتیجہ میں ہمارا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جائے،

اس لئے تصوف کا جو مسئلہ ہے یہ مسئلہ بہت اہم ہے، اور آج کل کے موجودہ دور میں جو خالص اگر یہ کہا جائے مادیت کا دور ہے، اور ظاہر پرستی کا دور ہے ان باتوں کی اہمیت نہیں سمجھی جاتی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے کاموں میں ایک بہت بڑا خلا ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں کہ کھوکھلا پن ہے، اگر ہمارے اندر وہ کیفیت پیدا ہو جائے احسان کی کہ ہم کام کو ظاہری طور پر بھی بہتر طریقہ پر کریں اور باطنی طور پر وہ کیفیت ہمارے اندر پیدا ہو، اور ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد اخلاص ہے، اسی لئے ہمارے بڑوں نے یہ بات کہی ہے کہ تصوف کا آغاز "اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ" سے اور اس کی انتہا "اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" پر ہوتی ہے، آخری انتہا تصوف کی یہ ہے کہ "اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" اللہ کی بندگی ایسی کی جائے کہ گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، نماز میں وہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ وہ بندہ اپنے مالک کے سامنے ہے، اور وہ اس کو دیکھ رہا ہے، یہ ایک ہمارے دین کا اہم اور بنیادی حصہ ہے، اس طرف ذرا ہمیں توجہ دینی چاہئے کیونکہ یہ ایک بہت بڑا خلا ہے اور یہ خلا ہمارے عقائد کے اندر بھی پیدا ہوتا ہے اور ہمارے اعمال کے اندر بھی پیدا ہوتا ہے، عقائد کے اندر وہ ایمانی کیفیات ہمیں حاصل نہیں ہوتیں، اللہ کی ذات پر جو یقین ہونا چاہئے اللہ کی ذات پر جو توکل ہونا چاہئے، جو باطنی کیفیات ہمارے اندر پیدا ہونا چاہئیں، وہ نہیں ہوتیں۔

یہ ایک خلاھے:

اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہمارا سارا اعتماد مادی وسائل پر ہوتا ہے، ہم اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور اگر وہ چیزیں حاصل ہونے لگتی ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ کام بن جائے گا اور اگر وہ سب چیزیں حاصل نہیں ہوتیں تو ہم ہمت ہار جاتے ہیں، ہماری کیفیت بدل جاتی ہے، یہاں تک کہ دعوت کا کام کرنے والے اور دین کا کام کرنے والے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے کاموں کا کچھ نتیجہ نکلتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں، اور بعض مرتبہ مست ہو جاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ کام بن گیا اور اگر نتیجہ نہیں نکلتا تو مایوس ہو جاتے ہیں، یہ باطنی کیفیت کی کمی کا نتیجہ ہے، ورنہ جو ہم دعوت کا کام کرتے ہیں، تعلیم کا کام کرتے ہیں، دین کا کام کرتے ہیں، اس میں ہمارے سامنے صرف اور صرف اللہ کی رضا ہونی چاہئے، وہ رضا اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی، جب اللہ کی رضا ہمارے سامنے ہو اور ہم کام کریں گے اس کے بعد نتیجہ نہیں نکلے گا تو ہم مایوس نہیں ہوں گے، ہم سوچیں گے کہ ہمارا کام اللہ کو راضی کرنے کے لئے تھا، اب نتیجہ اللہ کے حوالے ہے، وہ نکلے یا نہ نکلے، ایک فائدہ اس کا یہ ہے کہ آدمی کے اندر مایوسی پیدا نہیں ہوتی، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا جو ہمارا اصل مقصود ہے، وہ ہم کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس لئے اپنی نیت کو درست کرنا یہ تصوف کی بنیاد ہے، اور اس قدر حضوری کی کیفیت پیدا ہو جائے استحضار پیدا ہو جائے: "اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" کی کیفیت پیدا ہو، وہ عبادت ہے، صرف نماز عبادت نہیں ہے، عبادت تو ہمارا آپس میں بیٹھنا، ملنا جلنا، کھانا پینا، یہ ساری چیزیں عبادت ہیں، ہر موقع پر ہمیں خیال رہے کہ ہم اللہ کے سامنے ہیں، اور اللہ کو دیکھ رہے ہیں، یہ کیفیت منتہی ہے، تصوف کی منتہی ہے، سلوک کا جو منتہی ہے وہ یہ کیفیت ہے اور اس کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں یہ بات فرمائی ہے، میں نے شروع میں یہ آیت پڑھی تھی: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" وہ آدمی کامیاب ہو گیا جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا، اس نے نفس کو سنوار لیا، اپنے نفس کو آراستہ کر لیا اور آراستہ کر لینا کیا ہے؟ نفس قابو میں آجائے، کسی چیز کی طرف رغبت ہو رہی ہے، کسی گناہ کی طرف رغبت ہو رہی ہے، لیکن فوراً یہ خیال پیدا ہو کہ ہمارا مالک ہمیں دیکھ رہا ہے، ہم اس کے سامنے بیٹھے ہیں، کیا اس کے بعد بھی جرأت پیدا ہوگی؟ کہ آدمی گناہ کی طرف مائل ہو اور گناہ کی طرف طبیعت اس کی چلے، آپ سب جانتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ کوئی بڑا ڈی ایم آپ کے سامنے کھڑا ہو، کیا اس کی موجودگی میں کوئی بھی ایسا کام کرے گا کہ فوراً

ہی وہ ہتھکڑی ڈال دے؟ اور فوراً ہی گرفت میں آجائے ؟ آدمی سوچے گا اگر کوئی غلط کام کرنا ہے تو چھپ کر کرلے، لیکن ظاہر ہے آپ بندوں سے چھپ سکتے ہیں، لیکن اللہ سے نہیں۔

میرے سامنے میرا خدا موجود تھا:

مثال کے طور پر ایک قصہ عرض کرتا ہوں ایک بزرگ تھے ان کے ساتھ مریدین اور ان سے اصلاح کا تعلق رکھنے والے رہتے تھے، ایک صاحب بہت عرصہ کے بعد آئے، لیکن ان کے اندر بڑی صلاحیت تھی، بڑی طلب لیکر آئے تھے، اللہ نے بہت اونچا مقام ان کو دیدیا، اور ان کے بڑے قریب ہوگئے، تو ایک نفسیاتی بات ہے جو پہلے سے لوگ موجود تھے ان کو ان سے حسد ہوگیا، ان بزرگ کو محسوس ہوگیا کہ نئے صاحب سے لوگوں کو حسد ہے، ایک دن انہوں نے سب سے ایک بات کہی کہ مجھے ایک ضرورت ہے تم سب لوگ ایک ایک مرغا لو اور ایسی جگہ جاکر ذبح کرو جہاں کوئی دیکھ نہ رہا ہو، اور ذبح کرکے میرے پاس لاؤ، سب لوگ گئے اور رات یا دن میں چھپ کر مرغے کو ذبح کرکے لے آئے، لیکن وہ نئے صاحب مرغا لائے لیکن ذبح نہیں کیا، لوگ خوش ہوئے، کہ آج نافرمانی کردی، یہ بڑا مقام ان کا نیچے ہوجائے گا، وہ آئے تو کہا کہ کیا بات ہے؟ سب نے کام پورا کرلیا تم نے نہیں کیا؟ وہ کہنے لگے حضرت کیا بتاؤں میں جہاں بھی مرغ ذبح کرنے بیٹھا تو فوراً اللہ میرے سامنے تھا، اور وہ دیکھ رہا تھا تو میں ایسی جگہ کہاں سے لاتا جہاں کوئی نہ دیکھتا؟ آپ نے فرمایا تھا جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو اگر یہ کہا ہوتا کوئی انسان نہ دیکھ رہا ہو تو آسان تھا، لیکن آپ نے فرمایا کوئی نہ دیکھ رہا ہو، میں جہاں بھی گیا میرے سامنے میرا خدا موجود تھا، میں مجبور ہوگیا میں ذبح نہیں کرسکا، اسی لئے میں ایسے ہی لے آیا، تو بزرگ نے کہا یہی کیفیت مطلوب ہے کہ آدمی ہر وقت یہ محسوس کرے کہ اللہ اس کے سامنے ہے، اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

اگر تزکیہ کا معیار یہ نہ ہو:

یہ تزکیہ کا معیار ہے، آدمی جب نفس کو سنوارتا ہے، حضوری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تو پھر آدمی کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے، لیکن اس کیلئے ذکر کی ضرورت ہے، پوچھنے کی ضرورت ہے، نیک صحبت کی ضرورت ہے، اللہ والوں کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے، اور یہ ہمارے دین کا ایک اہم حصہ ہے، اس کے بغیر گویا کہ جسم ہے لیکن جان نہیں، اس کو ''جسد بلا روح'' کہہ سکتے ہیں کہ روح نہیں ہے اور جب تک روح نہ ہو تو ظاہر ہے جسم کی کوئی قیمت نہیں، جسم کے اندر روح نہ ہو وہ تو سڑنے بھی لگتا ہے، گلنے بھی لگتا ہے، جب تک جان ہے وہ سلامت ہے اور جب جان نہیں تو کہتے ہیں کہ وہ مٹی ہوگیا، کہتے ہیں فلاں کے یہاں مٹی ہوگئی، اس کا مطلب کیا ہے؟ یعنی روح نکل گئی، جسم مٹی ہوگیا، اسی طرح ہمارے کاموں کا حال ہے کہ اگر روح نہ ہو، ایمان نہ ہو، اخلاص نہ ہو، اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا اور حاضر رہنے کا جذبہ، حضوری کا خیال نہ ہو تو واقعہ یہ ہے کہ وہ کام ایسے ہیں کہ مٹی کہلانے کے مستحق ہیں، اللہ کے یہاں پتہ نہیں قبول ہوں گے یا نہیں یہ ایک ضروری امر ہے، اس کے بغیر ہماری زندگی ادھوری ہے، ہمارے کام ادھورے ہیں، ہمارا مشن ادھورا ہے اور اس کے نتیجہ میں امت اسلامیہ میں انتشار ہے اور طرح طرح کی خرافات پیدا ہورہی ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حل:

اگر آپ کے اندر یہ اشکال پیدا ہو کہ وہ خرافات تو ایسی جگہوں پر بھی ہیں جہاں کسی نام پر کام ہورہا ہے، آپ اس کو اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جہاں پر خانقاہیں ہیں، جہاں پر بزرگ سمجھے جاتے ہیں، وہاں پر بھی انتشاری کیفیت ہے، تو میں صاف کہتا ہوں کہ یہ جو سلوک کا مسئلہ ہے یہ نہ خانقاہوں سے حل ہوتا ہے، وہ خانقاہیں جہاں جوڑ لگائے جائیں، جہاں باقاعدہ دکانیں سجائی جائیں، یہ دنیا دوسری ہے یہ دنیا سجانے کی نہیں ہے، یہاں تو دل کو سجایا جاتا ہے، جسم کو نہیں سجایا جاتا، عمارتیں نہیں سجائی جاتیں، یہاں دل کو سجایا جاتا ہے، اور جہاں اس کا تعلق جسم وجان اس کے جسم سے یا ظاہر سے ہوگا تو نقص پیدا

ہوجائے گا، چنانچہ جہاں ظاہری طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ خانقاہیں بھی ہیں اور وہاں بھی انتشار پیدا ہورہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خانقاہیں نام کی ہوگئیں، وہاں مادیت پیدا ہوگئی، وہاں ظاہر پرستی پیدا ہوگئی، یہ تو راستہ فنائیت کا ہے، اپنے آپ کو مٹانے کا ہے، بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ مجمع ہونے لگا اور لوگوں نے زیادہ فائدہ اٹھانا شروع کیا تو یہ کیفیت پیدا ہوئی اور ایسی جگہ چلے گئے جہاں زیادہ مجمع نہ ہو اور لوگ ان کو نہ پہچانیں، ان کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ اس قدر متعارف کراتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی سے جوڑ دیں، اور اللہ سے قریب کردیں اس حدتک وہ بندوں کے سامنے آتے ہیں، ورنہ وہ ہوتے ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا، ان کا خالق و مالک ہوتا ہے، تو یہ دنیا دوسری ہے، اس لئے اگر یہ اعتراض بھی ہو، ذہنوں میں اشکال پیدا ہو تو یہ اگر یہ بجا ہے لیکن اس لئے غلط ہے کہ وہ خانقاہیں نام کی ہیں، یا وہ لوگ جن کے بارے میں اس طرح کے ہمیں حالات ملتے ہیں انہوں نے جو تصوف کی حقیقت کو فراموش کردیا، سلوک کی حقیقت کو فراموش کردیا اور دل کی دنیا کو جس طرح انہیں آباد کرنا چاہئے اس کے بجائے انہوں نے ظاہر پر خالی توجہ شروع کردی تو اس سے نتیجہ کچھ اور سامنے آنے لگا اور حالات بگڑنے لگے۔

تو اس لئے جو ضرورت ہے وہ اپنی جگہ قائم ہے اور ہم سب کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ ہمارے اندر وہ حالات پیدا ہوجائیں، وہ ایمان پیدا ہوجائے، وہ اخلاص پیدا ہوجائے اور احسان کی وہ کیفیت پیدا ہوجائے جو ہمارے دین کا ایک بنیادی حصہ ہے، بس اس کے بغیر ہمارے اعمال بے جان ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی ضرورت کا احساس بیدار فرمائے اور ہماری حاضری کو آپ کے یہاں بیٹھنے کو قبول فرمائے اور خیر کا ذریعہ فرمائے۔

❁❁❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۲۰؍روپے
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰؍روپے
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۵؍روپے
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰؍روپے
۵- رہنمائے سلوک وطریقت ۲۰؍روپے
۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا ۱۰؍روپے
۷- الامامۃ فی الصلاۃ ومسائلہا واحکامہا ۳۰؍روپے
۸- التدخین بین الشرع والطب ۲۰؍روپے
۹- حیات عبدالرشید ۲۰۰؍روپے
۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ ۱۰۰؍روپے
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ۱۰۰؍روپے
۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۰؍روپے
۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۰؍روپے
۱۴- تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۱۰؍روپے
۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید ۱۵۰؍روپے
۱۶- مقالات ومشاہدات ۳۰؍روپے
۱۷- مکتوبات اکابر ۳۰؍روپے
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰؍روپے
۱۹- افکار دل (۳۰ تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰؍روپے
۲۰- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ ۲۰۰؍روپے
۲۱- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ ۲۰؍روپے
۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰؍روپے
۲۳- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات) ۱۵؍روپے
۲۴- قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت ۱۰؍روپے
۲۵- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت ۱۵؍روپے
۲۶- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری ۱۰؍روپے
۲۷- نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا ۲۰۰؍روپے
۲۸- ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ ۲۵؍روپے
۲۹- تصوف اور اکابر دیوبند ۲۰؍روپے
۳۰- امامت کے احکام ومسائل ۱۰۰؍روپے
۳۱- فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات ۱۰؍روپے
۳۲- Rules of Raising Funds ۱۰؍روپے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

کردار و عمل

طلبہ تحریک کے ذریعہ حالات بدل سکتے ہیں!

انجینئر مصطفی محمد طحان.............. ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل، کرناٹک

طالب علم معاشرہ کے لئے زیادہ مفید ہیں:

معاشرے متحرک افراد، آس پاس کے ماحول اور مستحکم عادات واقدار سے وجود میں آتے ہیں، جب یہ عناصر ہم آہنگ ہوتے ہیں اوران میں توازن پیدا ہوجاتا ہے تو معاشرے میں استحکام اور پختگی آتی ہے، ایک طرف معاشرے کا سنگ بنیاد انسان ہے، تو دوسری طرف طالب علم معاشرے کی دوسری اکائیوں کے مقابلے میں زیادہ مفید، مؤثر، چشت ونشیط اور علم سے لیس ہوتا ہے، اس کی تحریک سے جہاں سوسائٹیوں میں بیداری اور تازگی آتی ہے، وہیں طالب علم کی غفلت اور فرائض سے کوتاہی معاشرے پر برا اور منفی اثر ڈالتی ہے اور جمود طاری کردیتی ہے۔

اسی وجہ سے معاشرے نے طالب علم کو اہمیت دی ہے اور ایسے تعلیمی گہوارے قائم کئے ہیں، جو اس کو علم سے مالا مال کرتے ہیں اور ایسے اساتذہ فراہم کئے ہیں جو اس کی تعلیمی نگرانی کرتے ہیں اور ایسے مربی متعین کئے ہیں جو عقائد کی بنیاد پر اس کی بہترین تربیت کا کام انجام دیتے ہیں، ذاتی تربیت جس میں شخصی، جسمانی، عقلی، روحانی، جذباتی اور نفسیاتی تعمیر پر توجہ دی جاتی ہے اور اجتماعی تربیت جس میں معاشرے، وطن قوم اور دین کی قدروں اور روایات پر توجہ دی جاتی ہے۔

جس طرح معاشرہ اپنی اولاد (طلبہ) کے لئے اپنی ہر چیز قربان کردیتا ہے، اسی طرح طالب علم کے لئے ضروری ہے (جب وہ کچھ دینے کی عمر میں پہنچ جائے) کہ وہ اپنے معاشرے کو اپنے سرمایہ علم وفکر سے اتنا فائدہ پہنچائے کہ علم معاشرہ بلندی کی انتہا تک پہنچ جائے اور طالب علم پر فخر محسوس کرے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف طالب علم ہی اپنی قوم کی ترقی اور بیداری کی ذمہ داری کا بوجھ کیوں اٹھائے؟۔

مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر طالب علم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے:

پہلا سبب نوجوانوں کی قابلیت وصلاحیت:

پہلا سبب یہ ہے کہ طلبہ تحریک کی بنیاد نوجوانوں پر ہے، نوجوان ہی ہر قوم کے سرخیل ہوتے ہیں، اور ہر میدان میں بہترین رول ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

آزادی کے میدان میں نوجوان ہی طاقت وعزیمت، حوصلہ وہمت اور صبر وثبات کا پیکر ہوتے ہیں، ان ہی کے ذریعے امت اپنے دشمنوں پر قابو پاتی ہے، اور اپنی شرافت اور عزت کا جھنڈا بلند کرتی ہے۔

فکر وعمل کے میدان میں نوجوان ہی تحقیق، درس وتدریس اور علم وفکر پر قدرت رکھنے والے مضبوط خلیات (پاور فل سیلس) ہوتے ہیں، اسی طرح وہ تجدید پر قادر نوجوان ہوتے ہیں کیونکہ ہری ٹہنی ابھی مرجھائی ہوئی نہیں ہے اور اس کی پختگی اور مضبوطی میں افکار وخیالات کے امتزاج کے لئے اثر لینے اور اثر ڈالنے کی صلاحیت رہتی ہے۔

ایمان وعمل کو منطبق کرنے میں نوجوانوں کی صلاحیت:

شکست خوردہ ایمان کی کوئی عملی قیمت نہیں ہوتی، بلکہ اصل قیمت نوجوانوں کے ایمان کی ہے، جو پوشیدہ طاقت اور خوابیدہ صلاحیت کو تحریکی قوت اور صلاحیت میں تبدیلی کردیتے ہیں، جس سے قوم کی تشکیل نو ہوتی ہے، اور اس کی قدریں بلند ہوتی ہیں۔

تبدیلی لانے کی صلاحیت:

نوجوان ہی ہراول اور تبدیلی کا ذریعہ ہوتے ہیں، اللہ تعالی اس وقت کسی قوم میں تبدیلی نہیں لاتے، جب تک وہ اپنے اندر تبدیلی نہ لے آئیں، جب دل بلند اور عظیم ہوتے ہیں تو تبدیلی بھی طاقت اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔

دوسرا سبب گروہ بندی اور تعصب کے بغیر عطا وافادہ:

طلبہ کا یہ قافلہ (جو اپنے عقل وشعور میں ماضی کے پڑھے ہوئے تجربات کے ذریعہ وسعت پیدا کرتا ہے، حال کے میدانوں کے ذریعے اس کو ترقی دینے کی کوشش کرتا ہے اور مستقبل کے میدانوں میں اس کے عظیم اور بلند ہونے کی توقع رکھتا ہے) مثبت کاموں میں مشغول رہتا ہے ،اور اپنی صف یا اپنی فکر میں تفریق ڈالنے والی ہر چیز سے دور بھاگتا ہے۔

تیسرا سبب کوشش، محنت اور جهد مسلسل:

آج اقوام عالم علم اور اقدار واخلاق کے میدان میں مسابقت کا منظر پیش کر رہی ہیں، ہر مقابلے میں ایک میدان ہے اور ہر میدان کے مخصوص افراد، اپنی قوم کے مسائل کے تئیں فکرمند اور گذشتہ اور موجودہ تہذیبوں کے اسباب ووسائل کو تنقیدی اور تحقیقی نگاہوں سے پڑھنے والے مہذب نوجوان مختلف عمیق فکر وفن اور علم وعمل اور تہذیب وثقافت کے زیور سے عاری لوگوں کے مقابلے میں اعتقادی، فکری اور عملی میدان کو سر کرنے کی زیادہ قدرت وصلاحیت رکھتے ہیں۔

چوتھا سبب عورت اور مرد:

عورت کا مسئلہ معاشرے کو درپیش اہم مسائل میں سے ہے، طلبہ کے نزدیک یہ جذباتی معرکہ وسیع اور ہر جگہ کا موضوع بحث بن گیا ہے، عورتیں مردوں ہی کی طرح مسئول اور ذمے دار ہیں، بلند اخلاق اور فضائل کے میدان میں مردوں ہی طرح عورتوں کے کچھ حقوق اور ذمے داریاں ہیں اور اہم کاموں میں انجام دہی میں دونوں مؤثر فریق ہیں۔

پانچواں سبب جبرواستبداد سے خالی شورائی نظام:

شوری اور آزادی شرائع وادیان کی قیمتی چیزوں میں سے ہیں، اور توحید کی گواہی انسان کی آزادی اور شرافت کے اعلان کی بنیاد ہے، کوئی بھی تحریک جس کی کوئی بھی شان ہو یا نام، زمانہ قدیم میں ہو یا عہد حاضر میں، اگر وہ شوری یا آزادی سے لاپرواہی برتتی ہے تو وہ دوسروں کا استحصال کرتی ہے، بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے اور وہ خود مختار عادل شخص اور آمرانہ نظام کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن ذہن حاضر رکھنے والے نوجوان شوری اور آزادی کی اہمیت کو جانتے ہیں اور اسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

چھٹا سبب آفاقیت:

تنگ دائروں کے شکار اور زمین، رنگ یا زبان کی طرف تعصب کی بنیاد پر نسبت کرنے والے زمانے میں ہم صرف طلبہ ہی کو اس آلودگی سے پاک پاتے ہیں۔

پڑھائی کے میدان میں طلبہ مختلف ملکوں سے جمع ہوتے ہیں، وہ عقیدہ، رفاقت اور قومی مفادات کی بنیاد پر جمع ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دوسرے کو سمجھنے، ملاقات کرنے اور تبادلہ خیال کا ملکہ ہوتا ہے، ان اسباب اور ان کے علاوہ دوسرے اسباب کی بنا پر ہم طلبہ تحریک کے دائرہ میں طالب علم کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور قوم کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھنے اور اقدام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، کسی کے مقابلے میں نہیں آتا اور کسی کے لئے چیلنج نہیں بنتا، بلکہ تمام رفقائے کار کے ساتھ تربیتی مراکز میں مکمل تربیت حاصل کرتا ہے۔

لیکن طلبہ تحریک ہے کیا چیز؟:

طالب علم وہ نوجوان مرد یا عورت ہے، جو مدرسہ، یونیورسٹی اور فنی وعلمی درسگاہوں میں علوم ومعارف سے سیراب ہوتا ہے، وہ دن کے اکثر اوقات اپنے رفیقوں کے ساتھ گزارتا ہے، یہ مدت اس کے تعلیمی مرحلے کے اعتبار سے طویل یا کم ہوتی ہے، جب طالب علم یا طالبہ اپنے ساتھیوں (جو علم حاصل کرنے اور پنی شخصیت تشکیل دینے، معاشرے کے مسائل پر توجہ دینے، اس کے لئے قربانی دینے، اس کو فائدہ

پہنچانے اور محنت وکوشش کرنے کی عمر میں ہوتے ہیں) کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ملتا ہے، اور سب مل کر ایک ہی کام کے لئے حرکت کرتے ہیں، تو اس حرکت کو "طلبہ تحریک" کہا جاتا ہے، جس طلبہ تحریک کا وجود مکتب، مدرسہ، ڈگری کلاسس، یونیورسٹی اور کالج اور یونیورسٹی سطح کی تنظیموں سے ہوتا ہے، وہ مہذب معاشرے کی کڑیوں میں سے پہلی کڑی ہے، اس کے بعد پیشہ وارانہ جماعتوں کی کڑی آتی ہے، جو اختصاص کے میدانوں میں طالب علم کے کاموں کو ترقی دیتی ہیں، اس کے بعد سیاسی جماعتوں کا نمبر آتا ہے، جو آزادی اور جمہوری ماحول کی حفاظت کی ذمہ داری ہیں، یہی آخری کڑی ہے جو صاف ستھری بنیادوں پر مہذب معاشرہ تشکیل دیتی ہے، جس سے قوم دوسری قوموں کے درمیان بلند مقام حاصل کرسکتی ہے۔

خلاصہ کلام:

طلبہ تحریک کے ذریعہ معاشرے کی تشکیل نو ہوسکتی ہے:

انسان معاشرے کی بنیاد ہے اور طلبہ معاشرے میں زیادہ مؤثر اور فائدہ پہنچانے والے ہیں۔

معاشرے نے طالب علم کو اہمیت دی ہے، اسی وجہ سے اس کے لئے تربیتی، تعلیمی اور تعمیری وسائل فراہم کئے جاتے ہیں۔

معاشرہ اپنی اولاد (طلبہ) کے لئے اپنے تمام خزانوں کی قربانی پیش کرتی ہے، اسی لئے طالب علم پر ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم کو اپنے سرمایہ علم وفکر سے فائدہ پہنچائے۔

طالب علم ہی قوم کی بیداری کا بوجھ کیوں اٹھاتا ہے؟

(۱) **نوجوانوں کی طاقت:**

۱-عزیمت۔ ۲-ہمت۔ ۳-صبر۔

۴-نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت۔ ۵-علم۔

۶-اصول پر یقین۔ ۷-ان اصولوں کا انطباق۔

۸-تجدید کی صلاحیت۔

۹- تبدیل ہونے اور تبدیلی لانے کی استعداد۔

(۲) **گروہ بندی کے بغیر فائدہ پہنچانا:**

مثبت امور میں مشغولیت اور تفرقہ بازی اور گروہ بندی سے اجتناب واحتراز۔

(۳) **عملی قوم:**

علم ومعرفت سے لیس اور ہر عملی چیز کی طرف میلان ودلچسپی۔

(۴) **عورت او رمرد:**

عورتیں مردوں کی طرح ہی ذمہ دار ہیں، دونوں کے کچھ حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔

(۵) **جبرواستبداد سے پاک شورائی نظام:**

شوریٰ اور آزادی کی اہمیت کا ادراک اور اس کا دفاع۔

(۶) **آفاقیت:**

تفریق کرنے والی نسل پرستی کی آلودگی سے دور اور مشترکہ مقاصد، اصول اور اقدار کے لئے متحد۔ ❁❁❁

شیخ برطانیہ، نمونۂ اسلاف

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا

شیخ الحدیث دارالعلوم بری، انگلینڈ کی تالیفات

۱-اضواء البیان فی ترجمۃ القرآن

۲-جمال محمدی (۳/جلد)

۳-کرامات وکمالات اولیاء (۲/جلد)

۴-جمال محمد کی جلوہ گاہیں (۲/جلد)

۵-محبت نامے (۳/جلد)

۶-اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۷-حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اوران کے خلفاء (۳/جلد)

۸-مشائخ احمد آباد (۲/جلد)

۹-بزرگوں کے وصال کے احوال

۱۰- الخطاب الفصيح للنبی المليح صلى الله عليه وسلم

ملنے کا پتہ

Azhar Academy Ltd

54-68 Little Ilford Lane, Manor Park. London E125QA (UK)

تجزیہ

اللہ تعالی نفع پہنچانے والوں کو باقی رکھتا ہے

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۲۷رفروری ۲۰۱۱ء جمعہ کے روز مرکز کی جامع مسجد میں نمازیوں کے سامنے ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

بہترین انسان وہ ہے جو نفع پہنچائے:

اللہ تبارک وتعالی نے ہم سب کو کائنات کی نفع رسانی کے لئے پیدا فرمایا ہے، ہم لوگوں میں جس میں بھی فائدہ پہنچانے کی صلاحیت ہے، دنیا کو کچھ دینے کی صلاحیت ہے، اللہ تبارک وتعالی اس کو باقی رکھیں گے، اس کے نفع پہنچانے کی وجہ سے، اس کے فائدہ پہنچانے کی وجہ سے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خیر الناس من انفعھم للناس" لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچاتا ہو، جس کی ذات سے، جس کی زندگی سے، جس کے عمل سے، جس کے کردار سے، جس کے اخلاق سے، جس کے چال چلن سے، جس کے معاشرہ کے اندر رہنے سے لوگوں کو نفع ہے، لوگوں کو فائدہ ہے، مادی اعتبار سے فائدہ ہے، یا روحانی اعتبار سے فائدہ ہے، یا جس اعتبار سے بھی فائدہ ہے تو وہ سب سے بہترین انسان ہے، سب سے اچھا انسان ہے، اگر اس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں ہے تو وہ انسان ناکارہ ہے، بیکار ہے، وہ دنیا کے اندر ایک بھیڑ ہے، دنیا کے اندر بہت ساری مخلوقات ہے، وہ بھی ان میں سے ایک ہے۔

نفع پہنچانے والوں کو اللہ باقی رکھتا ہے:

لیکن اللہ تبارک وتعالی نے قرآن حکیم کے اندر ارشاد فرمایا: "واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض" جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، اللہ تبارک وتعالی اس کو دنیا کے اندر باقی رکھتے ہیں، آج کل کوئی صحافی ہو، کوئی لکھنے والا ہو، کوئی مقرر ہو، کوئی گفتگو کرنے والا ہو، کسی بھی انداز پر گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ برا کہتا ہے امریکہ کو، وہ برا کہتا ہے یہودیوں کو، وہ برا کہتا ہے نصرانیوں کو، ٹھیک ہے وہ مغضوب ہیں، وہ ضالین ہیں، وہ گمراہ ہیں، دنیا کو اور دنیا کے انسانوں کو وہ راہ سے ہٹانے والے ہیں، اور خود راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے، اس لئے اللہ تعالی کے حکم سے آج بھی امریکہ باقی ہے، آج بھی یہود باقی ہیں، آج بھی نصرانی باقی ہیں، کیونکہ وہ اتنی چیزیں بنا رہے ہیں، اتنی ٹیکنیکی چیزیں تیار کر رہے ہیں کہ پوری دنیائے انسانیت کو نفع پہنچ رہا ہے، یہ مائک جس سے میں بات کر رہا ہوں کس کی ایجاد ہے؟ یہ ان لوگوں کی ایجاد ہے، اور جتنی بھی چیزوں سے ہم نفع اٹھا رہے ہیں، موٹر گاڑی ہو، ٹرین ہو، ہوائی جہاز ہو، جس سے جلدی سے جلدی ہم کہیں بھی پہنچ سکتے ہیں، ہمارے گھروں میں فریج ہے، واشنگ مشین ہے، یہ سب چیزیں ان لوگوں کی ایجاد کی ہوئی ہیں، جن کو ہم رات دن مہذب انداز میں یا غیر مہذب انداز میں گالیاں دیتے ہیں، یا برا بھلا کہتے ہیں، اللہ نے ان کو باقی رکھا ہے، ان کے نفع پہنچانے کی وجہ سے، ورنہ اللہ تبارک وتعالی کا فیصلہ ہے، وہ اس دنیا میں اس قوم کو جس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت نہ ہو، اس قوم کو زیادہ دیر تک باقی نہیں رکھتا، تو اس وقت جو وہ باقی ہیں، اپنے نفع رسانی کی وجہ سے ہیں، اور اپنے فائدہ پہنچانے کی وجہ سے ہیں، وہ لوگ باقی ہیں اپنی حکومتوں کے ساتھ اور اپنے تمام وسائل اور مادیت کے ساتھ، وہ اس وقت دنیا میں حکمرانی کر رہے ہیں، اور ان کی حکمرانی دلوں پر ہے، ان کی حکمرانی دماغوں پر ہے، اور ان کی حکمرانی عقلوں پر ہے، ان کی حکمرانی تعلیم گاہوں پر ہے، بلکہ ان کی حکمرانی زندگی کے ہر شعبہ میں

ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفع پہنچا رہے ہیں، چنانچہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی نفع پہنچانے کی کوشش کرے گا، جو بھی نفع پہنچانے کے سلسلہ میں کسی طرح کی جدوجہد کرے گا، محنت کرے گا، تو اللہ تبارک وتعالی اس کو باقی رکھیں گے۔

نفع پہنچانے کا جذبہ پیدا کرو:

میرے دوستو! اور میرے ایمانی بھائیو! اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کرو کہ اپنی زندگی سے، اپنے رہنے سے آپ لوگوں کو نفع پہنچاؤ، اپنے محلّہ والوں کو، اپنے پڑوس والوں کو، اپنے قصبہ اور گاؤں والوں کو، اپنے خاندان والوں کو، اپنے چھوٹوں کو، اپنے بڑوں کو اگر تم نفع پہنچا سکتے ہو، تو تم باقی رہو گے، اور اگر نفع نہیں پہنچاؤ گے تو ایسے ہی مٹ جاؤ گے، جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ گدھے کے سر سے سینگ غائب، ایسے ہی اللہ تبارک وتعالی ہٹا دیتا ہے، مٹا دیتا ہے، تو نفع پہنچانے کی صلاحیت رکھئے، نفع پہنچایئے، اگر نفع نہیں پہنچا سکتے تو ضرر بھی نہ پہنچایئے، ہم لوگ کیا کرتے ہیں، نفع تو دور کی بات، ضرر پہنچاتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالی نے پھر اس کا فیصلہ کیا ہے کہ جو نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، خود اللہ تبارک وتعالی اس کو ختم کر دیتا ہے، بہت سے لوگ دوسروں کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دوسرے خاندانوں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے فیصلے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ خود مٹ جاتے ہیں، ان کو پتہ بھی نہیں چلتا، دوسروں کے لئے گڈھے کھودتے ہیں، اور وہ اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھوں میں خود دفن ہو جاتے ہیں، ایسا دنیا میں چلتا آ رہا ہے، اور یہ دنیا کا نظام ہے، اور یہ سب فیصلے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ہیں۔

دوسروں کے چراغ کو روشن کیجئے:

تو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں، یہ اسلامی تعلیم ہے، قرآن کی تعلیم ہے، آپ اپنے محلّہ میں، آپ اپنے خاندان میں یہ کوشش کیجئے کہ آپ کی ذات سے سب کو نفع پہنچے، آپ کے خاندان والوں کو بھی نفع پہنچے، آپ کے محلّہ والوں کو بھی نفع پہنچے، جس اعتبار سے آپ لوگوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں، جس اعتبار سے بھی فائدہ پہنچا سکتے ہیں، میٹھی بات بول کر فائدہ پہنچا سکتے ہیں، اچھا مشورہ دے کر فائدہ پہنچا سکتے ہیں، کسی کی مدد کر کے فائدہ پہنچا سکتے ہیں، کسی کو کسی بھی انداز سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں، یہ کوشش کیجئے، دوسرے کے چراغ کو جلانے کی کوشش کیجئے، یہ نہ کیجئے کہ دوسرے کا چراغ بجھ جائے اور میرا چراغ جل جائے، اپنا جلے نہ جلے، ٹھیک ہے، اپنا جلانے کی تو سب کوشش کرتے ہیں لیکن: ع

مرنا بھلا اس کا کیا جو جیئے اپنے لئے
جینا بھلا اس کا جو مرے دوسروں کیلئے

تو ایسا کرنا چاہئے، دوسروں کے لئے جینا چاہئے، قوموں کے اندر اور تاریخ کے اندر جو دوسروں کے لئے مرے ہیں، اللہ نے ان کو زندہ رکھا ہے، اور جو اپنے لئے جیئے ہیں وہ مر گئے ہیں، مٹ مٹا گئے ہیں اور ان کی داستان بھی نہ رہی داستانوں میں۔

اپنے اخلاق وکردار کے ذریعہ معاشرے کو سنواریں:

دوستو! ہم یہ کوشش کریں کہ اپنی ذات سے، اپنے کردار سے، اپنے محلّہ میں، اپنے معاشرہ میں، ہم کسی کو ضرر نہیں پہنچائیں گے، کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، کسی کے بارے میں غلط نہیں سوچیں گے، یہ اپنے ذہن ودماغ میں بٹھا لیجئے، اگر نفع نہیں پہنچا سکتے تو ضرر بھی نہیں پہنچائیں گے، کسی کے بارے میں غلط نہیں سوچیں گے، لیکن کوشش کریں کہ انشاء اللہ ہم نفع پہنچائیں گے، اپنے مکان سے، اپنی دوکان سے، اپنی بزنس سے، اپنی تجارت سے، اپنے کھیت سے، اپنے چال چلن سے، اپنی گفتگو سے، اپنے کردار سے، اپنے اخلاق سے پورے معاشرہ کو ہم ضرور سنواریں گے، پورے معاشرہ کو فائدہ پہنچائیں گے، ہماری ذات سے کسی کو نقصان نہ ہو، ہماری بات سے کسی کو تکلیف نہ ہو، ہمارے انداز گفتگو سے، ہماری رہنے سہنے سے کسی کو تکلیف نہ ہو، یہ کوشش کرنی چاہئے اگر یہ کوشش کریں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالی ہمارے اندر نفع پہنچانے کے گر اور نفع پہنچانے کی صلاحیت پیدا کر دے گا اور جب یہ چیزیں ہمارے اندر پیدا ہو جائیں گی تو معاشرہ سنور جائے گا۔ (بقیہ اگلے صفحہ ۲۵ / پر)

انکشاف

وزیراعظم کی قادیانی سرغنہ سے ملاقات

مولانا شاہ عالم گورکھپوری، شعبہ تحفظ ختم نبوت، دیو بند

وزیر اعظم نریندر مودی نے مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، اسی لیے گجرات کی قادیانی جماعت کے انچارج فضل الرحمٰن بھٹی نے وزیراعظم سے ملاقاتیں کیں اور وزیر اعظم نے ان کی تعریف میں خط بھی لکھا، اس سلسلے میں فضل الرحمٰن بھٹی کو چناب نگر (پاکستان) اور لندن سے ہدایات دی جارہی ہیں، بھارتی مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں کو استعمال کرنے کے منصوبے میں بی جے پی کے علاوہ انتہا پسند ہندوؤں کی جماعت شیوسینا بھی شامل ہے، ان امور کا انکشاف پڑوسی ملک کے ایک روزنامہ ''امت کراچی'' نے اتوار ۹ رنومبر ۲۰۱۴ء کی اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں کیا، تشدد پسند ہندوؤں اور قادیانیوں کا اتحاد اگر چہ نیا نہیں لیکن مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں کا استعمال، ملک کو پہلے نقصان پہنچائے گا، مسلمانوں کو اس سے نقصان ہوگا یا نہیں یہ تو وقت بتائے گا، اس لیے امن پسند اور ملک دوست مخلص برادران وطن اور سیاسی جماعتوں کو سامنے آنا چاہئے، مسلمانوں کی مذہبی جماعتوں کو اس کو اپنا موضوع سخن بنانا چاہئے۔

ان خبروں پر شک اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں انتہا پسند ہندو تنظیموں اور قادیانیوں کے درمیان تعلقات اگر چہ خاصے پرانے اور گہرے ہیں، تاہم موجودہ صورت حال میں قادیانی جماعت کے ذمہ داروں نے نریندر مودی کو اپنی جو خدمات پیش کی ہیں وہ اس کو تقویت پہنچانے کے لیے کافی ہیں اور اس تازہ منصوبہ بندی کا مقصد صرف یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے تحت قادیانیوں کو ''اصل'' مسلمان کے طور پر پیش کر کے وہی کام لینے کی کوشش کی جائے گی، جو انگریزوں نے قادیانی جماعت کے چیف گرو مرزا غلام احمد قادیانی سے لیا تھا۔

اخبار نے اپنے ذرائع سے اس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ قادیانی جماعت اور بھارتیہ جنتا پارٹی میں الیکشن سے پہلے اتحاد قائم ہوا، اس مقصد کی خاطر قادیانی جماعت گجرات کے انچارج فضل الرحمٰن بھٹی نے نریندر مودی سے معاملات طے کئے اور نریندر مودی سے کئی ملاقاتیں بھی کیں، جبکہ اس سلسلے میں حالیہ دنوں میں بھی ایک خفیہ ملاقات کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ نریندر مودی نے قادیانی جماعت کی ستائش میں فضل الرحمٰن بھٹی کو ایک خط بھی لکھا ہے، جسے قادیانی جماعت کی آفیشل ویب سائٹ ''احمدیہ ٹائمز'' پر نمایاں کر کے باتصویر لگایا گیا ہے جو آج بھی AHMADIYYA TIMES دیکھا اور پڑھا جاسکتا ہے، اس خط میں مودی نے لکھا ہے کہ ''قادیانی جماعت مذہبی رواداری اور عالمی بھائی چارے پر یقین رکھتی ہے، انہی خصوصیات کے پیش نظر اس جماعت کی مدد کر کے بھارت میں قومی سطح پر اتفاق رائے تشکیل دیا جاسکتا ہے اور عالمی بھائی چارے کی تشکیل میں مدد مل سکتی ہے، ہم اس جماعت کی انسانیت کے لئے خدمات سے آگاہ ہیں اور اس کی مدد کریں گے۔

''امت'' نے اپنے ذرائع سے بتایا کہ فضل الرحمٰن بھٹی کو چناب نگر میں احمدیہ جماعت کے مرکز اور لندن میں مقیم قادیانیوں کے خلیفہ ''مرزا مسرور'' کی جانب سے ہدایات جاری کی جارہی ہیں، چناب نگر (پاکستان) میں قادیانی مرکز سے دستیاب اطلاعات میں کہا گیا ہے کہ فضل بھٹی کی تمام ملاقاتوں کا ریکارڈ اور احوال چناب نگر اور لندن کو ساتھ ساتھ فراہم کیا جاتا رہا ہے، نریندر مودی کے وزیراعظم بننے پر لندن کے قادیانی مرکز اور چناب نگر میں جشن منایا گیا تھا، قادیانی جماعت کی اعلیٰ قیادت نے ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیں، کیک اور مٹھائیاں بھجوائیں، معلوم ہوا ہے کہ بھارتی وزیراعظم کی جانب سے مسٹر فضل بھٹی کو لکھے گئے خط کی مکمل کاپی بھی فوری طور پر چناب نگر پہنچا

دی گئی ہے، اطلاعات کے مطابق مودی کو مبارکباد دینے کی آڑ میں منصوبے پر مزید بات چیت کے لئے پاکستان اور برطانیہ سے قادیانی جماعت کا وفد دسمبر کے کسی تاریخ میں ہندوستان آرہا ہے۔

قادیانی جماعت اور بی جے پی کے تازہ خصوصی تعاون کی حدود کیا ہوں گی اور اس سے صرف ہندوستانی مسلمان متأثر ہوں گے یا پاکستان بھی متاثر ہوگا؟ اس حوالے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ سرکاری سطح پر قادیانیوں کو امداد فراہم کرنے کے اعلان سے اندازہ یہ ہے کہ خطرہ صرف بھارتی مسلمانوں کو نہیں بلکہ سازش کا دائرہ کار کشمیر اور پاکستان تک پھیلایا جا سکتا ہے، تاریخی حقائق آج بھی گواہ ہیں کہ قادیانی گروپ اور اس کے بانی اور ان کے آباؤ اجداد نے مسلمانوں کے خلاف ہر مسلم مخالف قوت سے تعاون لیا ہے، قادیانی فتنہ کے بانی نے بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنے والی انگریز فوج کو گھوڑوں اور فوجیوں کی صورت میں بہت بڑی مدد فراہم کی تھی تاکہ کسی بھی صورت میں ہندوستان انگریزوں کے چنگل سے آزاد نہ ہو سکے، مرزا قادیانی کے بعد اب اس کے پیروکار قادیانیوں نے امریکہ اور اسرائیل سے تعاون لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کو بد امنی میں مبتلا کرنے کا عزم کیا ہوا ہے بلکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف کام شروع کر دیا ہے، مسلمان ہوں یا دوسری قومیں، حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ جس جماعت کا مکمل ریکارڈ ہندوستان کی آزادی کے خلاف ہے آج اس کا وزیر اعظم اسی جماعت کی ستائش میں نہ صرف یہ کہ لیٹر جاری کرتا ہے بلکہ اس کے تعاون کا بھی کھلے عام اعلان کرتا ہے، موجودہ سیاسی گلیاروں کے حکمرانوں کا یہ عمل اگرچہ مسلم دشمنی میں اٹھایا ہوا قدم ہے لیکن شاید انھیں معلوم نہیں کہ مسلمانوں کو اس سے انشاء اللہ کوئی بھی نقصان نہیں پہنچے گا، البتہ ملک میں قادیانی جماعت جو بد امنی پیدا کرے گی اس کا فائدہ امریکہ اور اسرائیل کو ہوگا اور نقصان باشندگان ہندوستان کا، کانگریسی لیڈران میں بھی در پردہ ایسے لوگوں کی بڑی تعداد ہے جو سیکولرزم کے نام پر قادیانی مفاد کو بڑھاوا دینے میں لگے رہتے ہیں جس کا نقصان آج کانگریس کے سامنے ہے۔ ❁❁

﴿بقیہ............صفحہ ۲۳ / کا﴾

خیر کے کام کرنیوالوں کا نام زندہ رکھا جاتاھے:

اللہ تبارک وتعالی ہمارے زندہ رہنے کے اور ہمارے باقی رہنے کے سسٹم بنائے گا، اور ایسے انتظامات کرے گا کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے، ہم مرجائیں گے، لیکن پھر بھی ہم زندہ رہیں گے، کتنے لوگ مر چکے ہیں، قبروں میں دفن ہو چکے ہیں، لیکن ان کا نام ان کے کام کی وجہ سے، ان کے نفع پہنچانے کی وجہ سے آج بھی زندہ ہے، ہزاروں سال گزر چکے ہیں، آج ہم ان کا نام لیتے ہیں، حاتم طائی کتنے سال پہلے گزرا؟ ہزاروں سال پہلے، اسلام سے پہلے، وہ خیر کا کام کرتا تھا، لوگوں کو نفع پہنچاتا تھا، آج دیہات میں، پڑھے لکھوں میں، ان پڑھوں میں سب میں اس کی مثال دی جاتی ہے، اس کا نام لیا جاتا ہے، کہ بھائی یہ اس زمانے کا حاتم طائی ہے، جس نے بھی اچھا کام کیا، کوئی اچھی گفتگو کرنے والا ہوتا ہے، اس کا بھی نام لیا جاتا ہے، ہر جگہ نام لیتے ہیں، کوئی اچھا مشورہ دینے والا تھا، کوئی عقلمندی کے کام کرنے والا تھا، اس کا نام روشن ہے، چاہے وہ انگریز ہو، اسلامی ہو، غیر اسلامی ہو، مشرک ہو، کوئی بھی ہو، جس کے اندر نفع پہنچانے کی ہر زمانہ میں صلاحیت رہی ہے، اور اس نے نفع پہنچایا ہے تو آج بھی دنیا میں اس کا نام روشن ہے، وہ زندہ ہے گو کہ وہ مر چکا ہے، مگر اپنے عمل سے، اپنے کردار سے اور اپنی نفع رسانی کی وجہ سے زندہ ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو نفع پهنچانے والا بنائے:

دوستو! ذہن میں بٹھالو کہ ہمیں انشاء اللہ لوگوں کو ہر اعتبار سے نفع پہنچانا ہے، کسی کو تکلیف نہیں پہنچانی ہے، اللہ تبارک وتعالی ہم کو نفع پہنچانے کی صلاحیت عطا فرمائے، اور نفع پہنچانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، ہم پوری ملت کو، پوری قوم کو، پورے ملک کو فائدہ پہنچائیں، ہمیں اپنے معاشرہ کے اندر، اپنے خاندان کے اندر، اپنے قصبہ، اپنے گاؤں، اپنے محلّہ کے اندر ہمیں ایسی جرأت اور ہمت عطا فرمائے کہ ہم سب کو نفع پہنچائیں، ہم سب کو فائدہ پہنچائیں، مادی اعتبار سے، روحانی اعتبار سے، جس اعتبار سے بھی ممکن ہو اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

غور وفکر

والدین اپنی اولاد کے درمیان انصاف قائم کریں

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

تمہید:

والدین اپنی اولاد کے لئے چمن اور باغ کے مالی کی حیثیت رکھتے ہیں، جس طرح چمن کا ہر پھول، ہر کنول اور اس کی ہر ٹہنی مالی کو اپنی جان سے زیادہ پیاری اور عزیز ہوتی ہے، اسی طرح والدین کو اپنی اولاد سے بے انتہا پیار ہوتا ہے، اولاد چاہے کیسی بھی ہو ماں باپ کے لئے جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیائے آب وگل میں ماں باپ سے زیادہ محبت کرنیوالا کوئی نہیں، ایک بچے کے لئے ماں کی گود سے زیادہ سکون واطمینان کہیں نہیں ملتا، یہاں بتلانا یہ ہے کہ والدین حضرات اپنی اولاد کے درمیان انصاف قائم کریں، آج کے اس پراگندہ ماحول میں یہ بات پوری طرح عیاں ہے کہ والدین اور اولاد کے درمیان ناچاقی ونااتفاقی پھیلی ہوئی ہے، کوئی اپنی اولاد سے پریشان ہے، تو کوئی اپنے والدین کو برا بھلا کہتا ہوا نظر آتا ہے، اس کی اصل وجہ حق تلفی اور ناانصافی ہے جو آج کل عام ہوتی جارہی ہے۔

والدین اپنی اولاد کو ایک نظر سے دیکھیں:

عام طور سے یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جن کے یہاں کئی ساری اولاد ہوتی ہیں، وہاں پر ناانصافی کی افراتفری کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے، لیکن یہاں پر ایک بات غور کرنے کی یہ ہے کہ اس معاملہ میں اصل ذمہ دار والدین ہی ہوتے ہیں، کیونکہ والدین اپنے اُس لڑکے کو آنکھ کا سرمہ بناتے ہیں جو ان کی نظروں کو بھاتا ہو، ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہو، ساتھ ہی ساتھ روپیہ پیسہ والا بھی ہو، برخلاف اس لڑکے کے کہ جو حقوق کی پاسداری اور انصاف کا متلاشی ہوتا ہے، صرف روپیوں اور پیسوں کا انبار نہیں ہوتا، تو اس سے خوش نہیں رہتے، چونکہ اس دور میں جہالت بھی اپنا کام پورا کررہی ہے، سب سے بڑی خرابی تو یہ ہے کہ مادیت کی ریل پیل نے تو بڑے کو چھوٹا اور چھوٹے کو بڑا بنادیا ہے، اکثر والدین کا رجحان اور میلان یہی ہوتا ہے، مگر معدودے چند کہ جن کو اللہ اور رسول کا خوف ہوتا ہے، جو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اپنی ہر اولاد کو ایک نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اولاد کا درجہ دیتے ہیں، مزید اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں، چونکہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا وہی لوگ شکریہ ادا کرتے ہیں جن کا اللہ اور رسول پر بھروسہ ہوتا ہے، اور اس دنیائے فانی کو خواب گراں سمجھتے ہیں:

یہ دنیا کھیل ہے اور کھیل بھی ہے چند لمحوں کا
نظر جو کچھ بھی آتا ہے اسے خواب گراں سمجھو

ایسے ظالمانہ عطیہ پر میں گواہ نہیں بنوں گا:

شریعت محمدیہ نے ہر ایک کے حقوق الگ الگ بیان کئے ہیں، حتی کہ اگر کسی نے اپنی اولاد میں سے کسی کو کسی پر فوقیت دی تو اس نے اپنی اولاد پر ظلم کیا، یہاں تک کہ اگر والدین نے لڑکوں میں سے کسی ایک کو بلا وجہ کوئی ایسا عطیہ دیا اور دوسری اولاد کو نہیں دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو غلام ہبہ کیا اور چاہا کہ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہوجائے، تو انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنی خواہش کا اظہار کیا، تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟ عرض کیا نہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہیں بنوں گا''۔ (سیرت النبی جلد ۶ صفحہ ۳۷۲)

نابالغ بچے کا سامان دوسرے بچے کو دینا جائز نہیں:

عام طور سے یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ خوشی کے موقع پر چاہے وہ عیدالفطر ہو، یا عیدالاضحیٰ، یا شادی بیاہ، ایسے موقعوں پر والدین اپنی اولاد کے لئے کپڑا، جوتا اور دیگر سامان وغیرہ بنواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیٹا یہ تمہارا کپڑا، یہ تمہارا جوتا ہے اور یہ تمہارا فلاں سامان ہے، اب والدین اپنی اولاد کو یہ سامان دیدیتے ہیں، مگر بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو اس کا کپڑا اور جوتا اپنی دوسری اولاد کو دیتے ہیں یا دوسری اولاد کو پہناتے ہیں، یہ سراسر غلط ہے، چونکہ آپ نے جب یہ سامان اپنے فلاں بچے کو ہبہ کردیا، تو اب یہ سامان اسی کا ہوگیا، اب آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کا سامان اپنی کسی دوسری اولاد کو دیں، اس لئے احتیاطاً ایسا کرنا چاہئے کہ بچوں کو مالک نہ بنائیں بلکہ اپنی ہی ملکیت میں رکھیں، تاکہ ایک بچے کے بدن پر کپڑا جب چھوٹا پڑجائے تو دوسرے بچے کو پہنا سکیں، لیکن اگر آپ نے نابالغ بچے کو ہبہ کردیا تو اب جائز نہیں کہ دوسرے بچے کو پہنائیں، کیونکہ ہبہ کی ہوئی چیز دوسرے کو دینا جائز نہیں۔

والدین اپنی اولاد کو کبھی بددعا نہ دیں:

آج کل کی صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ والدین کو جہاں تھوڑی سی تکلیف اولاد کی طرف سے پہنچتی ہے تو فوراً اس کو برا بھلا کہنا شروع کردیتے ہیں، گالیاں تک دیدیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض دفعہ اپنی اولاد کو بددعا کے الفاظ بھی زبان سے نکال دیتے ہیں جو انتہائی بری بات ہے، اگر اولاد غلطی کرے، آپ کو تکلیف پہنچائے، کسی حال میں بھی اپنی اولاد کو بددعا نہ دیں، یہ بات یاد رہے کہ شیطان دھوکہ دیتا ہے، ماں باپ کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم دل سے بددعا نہیں کررہے ہو بلکہ یونہی بلاقصد وارادے کے بددعا کررہے ہو اور اس دھوکہ میں بعض دفعہ مائیں آجاتی ہیں، اور زبان سے برے الفاظ کہہ جاتی ہیں، یاد رکھنا یہ اولاد اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، ان کو بددعائیں دینا نعمت کی ناقدری ہے اور نعمت کی ناقدری کرنے سے اللہ تعالیٰ نعمت کو چھین لیتا ہے، والدین کو چاہئے کہ وہ اولاد کو کبھی برا بھلا ہرگز نہ کہے بلکہ اس کی بھلائی کی دعا کریں، ایک جگہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے فرمایا کہ: ’’والدین اولاد کی اصلاح وخوش حالی کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہیں، لیکن ان کے لئے بددعا ہرگز نہ کریں‘‘ رحمت کا یہی تقاضہ ہے کہ جب اولاد والدین کو ایذاء اور تکلیف پہنچائیں تو صبر کریں اور اپنی زبان سے بددعا کے الفاظ نہ نکالیں، بلکہ اپنی ذات کا محاسبہ کریں کہ کہیں ہماری کرتوت کا تو نتیجہ نہیں ہے، اور ہم بددعا دیکر خود کی اور اولاد کی بھی زندگی برباد نہ کرڈالیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں والدین کی اہمیت اتنی ہے کہ اگر ماں کے دل اور زبان سے جو دعائیں اور بددعائیں نکلتی ہیں وہ سیدھی عرش پر جاتی ہیں اور قبول کرلی جاتی ہیں، اسلئے ماؤں کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو کسی صورت میں بھی بددعا کے الفاظ نہ کہیں، بعض مائیں ایسی ہوتی ہیں کہ اپنے بچوں کو بددعائیں دیکر ان کی اور اپنی بھی عاقبت خراب کرلیتی ہیں، جو انتہائی درجہ کی گری ہوئی بات ہے، اللہ تعالیٰ ایسے والدین کو سمجھ عطا فرمائے۔

خلاصہ:

دراصل بات یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کے درمیان انصاف قائم کرنے میں لاپرواہی برتتے ہیں، دنیا کے ظاہری اسباب کو دیکھ کر کسی ایک سے مرعوب ہوجاتے ہیں اور دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتے جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ اولاد کیسی بھی ہو انہیں دو نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ ہرحال میں انصاف سے کام لینا چاہئے، اگرچہ اولاد نافرمان ہی کیوں نہ ہو، والدین کی طرف سے منافقانہ رویہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے چونکہ اولاد والدین کے لئے ایک امانت کی حیثیت رکھتی ہے، جس کی پاسداری والدین کو کرنی ضروری ہے، اور اگر اس کی پاسداری میں ذرہ برابر فرق رہا تو کل قیامت کے دن اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ اولاد ایک نعمت ہے اور نعمت کی ناقدری اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہے، لہٰذا والدین حضرات انصاف کا ترازو قائم رکھیں اور اپنی ہر اولاد کو ایک نظر سے دیکھیں، تو انشاء اللہ کبھی بھی خلفشار اور لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آئے گی۔ ❁❁❁

فکر وعمل

بچوں کی تعلیم وتربیت اسلامی نقطۂ نظر سے

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی، استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلام بچہ کی تربیت کا جو تصور رکھتا ہے وہ نہایت جامع، وسیع اور ہمہ گیر وعالمگیر ہے، وہ چاہتا ہے دینی، اخلاقی، جسمانی، عقلی وذہنی، معاشرتی، حسی، جذباتی وجبلی، نفسیاتی اور جنسی ہر طرح بچہ کی ایسی مکمل تربیت کی جائے کہ مکمل طور پر اس کی شخصیت کی تعمیر ہو سکے اور وہ ایک آئیڈیل بن سکے۔ (حلال وحرام از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صفحہ ۴۵۸/تا۴۶۵)

دینی تربیت:

تربیت کے مختلف شعبوں میں سب سے اہم دینی اور اسلامی تربیت ہے، جس میں مبادیات دین کی تعلیم، عبادات کی ترغیب، حلال وحرام کی تفہیم، قرآن مجید کا پڑھنا وغیرہ داخل ہے، دینی تربیت میں ابتداء کلمہ طیبہ سے ہو، بچہ کے اندر نبی کی محبت، اطاعت کا جذبہ، آل بیت کی محبت اور قرآن مجید کی تلاوت سے شغف پیدا کیا جائے، صحابہ کرام، سیرت نبوی اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی بھی تعلیم اپنے بچوں کو دیں۔

اخلاقی تربیت:

اخلاقی تربیت، دینی تربیت کا ایک حصہ ہے، اسلام میں فطری طور پر اس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''کسی شخص نے اپنی اولاد کو اچھے اخلاق وآداب سے بہتر عطیہ نہیں دیا اور یہ کہ اپنی اولاد کو تہذیب وشائستگی سکھاؤ''۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بچہ نو سال کا ہو جائے تو اس کا بستر علیحدہ کر دیا جائے، پھر تیسرا سال میں نماز، روزہ کے لئے سرزنش کی جائے، سولہ سال کی عمر میں اس کی شادی کر دی جائے، پھر اس کا ہاتھ پکڑے اور کہے میں نے تجھے اخلاق سکھا دیئے، تعلیم دیدی اور تمہارا نکاح کر دیا، اب میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ تو دنیا میں میرے لئے فتنہ کا یا آخرت میں عذاب کا باعث بنے۔ (مسند ابن حبان عن انسؓ)

اسی اخلاقی تربیت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو کسی ایسی حرکت سے منع فرمایا ہے جو بچہ کے معصوم اور سادہ ذہن پر اپنا غلط نقش چھوڑ جائے، چنانچہ ارشاد ہوا کہ جو شخص بچہ کو کہے یہ لے لو، پھر اسے نہ دے تو یہ بھی جھوٹ ہے۔

حضرت ابوسلمہ کے لڑکے عمرو بن ابی سلمہ آپ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، بہت کم سن تھے، ان کا ہاتھ پلیٹ میں مختلف جگہوں پر گھوم رہا تھا، جو آداب طعام کے خلاف تھا، اس لئے آپ نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنے سامنے سے کھاؤ''، ایسے ہی ایک بچی آئی اور اس نے بسم اللہ کہے بغیر دسترخوان سے کھانا چاہا تو آپ نے ہاتھ پکڑ لیا، اور تعلیم دی کہ بسم اللہ کے بغیر کھانا کھانے سے شیطان شریک طعام ہو جاتا ہے۔ (حلال وحرام از مولانا خالد سیف اللہ صفحہ ۴۶۰/۴۶۱)

اخلاق وکردار نسل انسانی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے، اگر کوئی قوم اخلاق سے محروم ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تعمیر وترقی سے ہم کنار نہیں کر سکتی، اس کے برخلاف بااصول وباکردار قوم کو کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔

اخلاق وکردار سے مزین کرنے کا سب سے سنہرا دور بچپن کا دور ہے، اس عمر میں جسمانی نشو ونما کے ساتھ کردار بھی نشو ونما پاتا ہے، ابتداء ہی سے بچے کی نشو ونما کے مختلف پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاقی تربیت پر بھی توجہ دینا چاہئے، بعض والدین اس سے صرف نظر

کر کے کہتے ہیں کہ بڑا ہوکر خود ہی اچھے برے کی تمیز اور نیکی و بدی کی پہچان کر لے گا، ایسا کرنا صحیح نہیں، اخلاقی تربیت سے پہلو تہی کرنے سے مہلک نتائج خاندان، سماج اور ملک وملت سب کو بھگتنا پڑتا ہے، بچے اخلاقی تربیت سے محرومی کے باعث آوارہ اور لفنگے ہوجاتے ہیں اور سب کیلئے عموماً اور خاندان کے لئے خصوصاً بدنما داغ اور دردسر بن جاتے ہیں۔(تفصیل کے ملاحظہ ہو''بچوں کی تربیت''ازمولانا سراج الدین ندوی)

جسمانی تربیت:

عقل وفہم، اخلاق وشائستگی اور فکر وعقیدہ کی درستگی اور اعتدال کے لئے سب سے بنیادی اور مادی ضرورت انسان کی جسمانی صحت اور اعتدال ہے، اسلام نے اس گوشہ کو بھی تشنہ نہیں رکھا، بلکہ اس سلسلہ میں واضح ہدایات دی ہیں، اسی لئے بیمار آدمی کو تندرست آدمی پر زیادہ آمد ورفت کرنے سے منع کیا گیا ہے، ہر مرض کو قابل علاج قرار دیا اور علاج کی ترغیب دی، نشانہ بازی، گھوڑسواری اور تیراکی کو ذکر الٰہی کے حکم میں رکھا ہے، اور عیش کوشی سے پرہیز، جفاکشی اور تیراندازی کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ ہدایات مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لئے ہیں اور صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے بچے اور جوان اس کے زیادہ مخاطب ہیں، کیونکہ ان کے اندر جسمانی ریاضت، چستی اور پھرتی پیدا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے۔(حلال وحرام ازمولانا خالد سیف اللہ رحمانی صفحہ ۴۶۲/۴۶۳)

حسی تربیت:

حواس خمسہ (قوت باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ) ہر انسان کو ودیعت کی گئی ہیں، بچے میں یہ سب حواس پائے جاتے ہیں، اور وہ ان کا استعمال بھی کرتے ہیں، اگر چہ یہ احساسات ناقص اور ادھورے ہوتے ہیں، اپنی توجہ اور نگہداشت سے بچوں کے احساسات کو پاکیزہ اور معیاری بنانے کی کوشش کریں اور بچوں کو اپنے احساسات پر بھروسہ اور اعتماد کرنا سکھائیں اور ان کے اظہار کا موقع دیں۔

جذباتی وجبلی تربیت:

بچپن کی جذباتی تربیت انسان کے کردار پر بڑے مفید اور دوررس اثرات ڈالتی ہے، بچپن میں جذبات کی اگر صحیح تربیت ہوجائے اور بچے کی جبلتوں کو صحیح راہ نمائی مل جائے تو بچے میں بہترین کردار پروان چڑھتا ہے، اور اس کی زندگی میں بے راہ روی کے بجائے اعتدال ہوتا ہے، تلون مزاجی کے بجائے صبر واستقلال پایا جاتا ہے۔

اگر بچے کی جبلتوں کو نہ سمجھا جائے، اس کے جذبات کا پاس ولحاظ نہ کیا جائے تو بچے کی سیرت میں طرح طرح کی خامیاں اور خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اور ایسا بچہ بڑا ہوکر بگڑا ہوا انسان ہوتا ہے، جو گھر کے لئے ایک بوجھ، معاشرے کے لئے ایک مصیبت اور ملک وملت کے لئے بدنما داغ ہوتا ہے، اس لئے بچوں کی جذباتی وجبلی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، اور اس تربیت کے لئے جذبہ وجبلت کے بارے میں وافر علم کا ہونا ضروری ہے، جذبہ اور جبلت کا چولی دامن کا ساتھ ہے، مثلاً بچہ کو بھوک لگتی ہے، وہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتا ہے، ماں کی پستان تلاش کرتا ہے، اگر دودھ نہ ملے تو رونے لگتا ہے، تاکہ ماں رونے کی آواز سن کر اسے دودھ پلادے، تو بھوک ایک جذبہ ہے اور اسے مٹانے کے لئے غذا کی تلاش کرنا انسان کی جبلت ہے۔(مزید تفصیل کیلئے''بچوں کی تربیت''صفحہ ۱۲۸/تا۱۳۳/دیکھیں)

حضرت مولانا کبیر الدین فاران مظاہری مدظلہ العالی

ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا ہماچل پردیش کی تین تازہ ترین تصنیفات

(۱) مٹی کا چراغ جلد اول صفحات ۴۳۶/ قیمت ۳۰۰/روپئے

(۲) دعوت وتبلیغ انسانیت کی اصلاح کی کلید صفحات ۳۲۔ قیمت ۲۵/روپئے

(۳) استاد (زمین سے عرش تک پہنچانیوالی ذات، صفات اور حقائق کے آئینہ میں) صفحات ۴۰۔ قیمت ۳۰/روپئے

ملنے کا پتہ

مکتبہ عزیزیہ مدرسہ قادریہ مسروالا، ہماچل پردیش

Website. madrasaquadria.org

Email. quadriahp@gmail.com

نقوش حیات

مولانا سید محمد حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

عربی واردو تحریروں کے آئینے میں

محمد جواد حسنی ریسرچ اسکالر وشوابھارتی یونیورسٹی شانتی نکیتن، بولپور، بیربھوم، ویسٹ بنگال

خاندان اور ماحول:

مولانا سید محمد الحسنیؒ کی پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی جو اس بات پر یقین کامل رکھتا تھا کہ اسلام اللہ کا آخری اور ابدی پیغام ہے، سعادت وکامرانی کا یہی واحد ذریعہ ہے اور اس کے علاوہ جتنے راستے ہیں وہ منزل تک پہنچانے والے نہیں ہیں، ان کا نشو ونما دعوت اسلامی کی تاریخ کے سایہ میں ہوا، اور ایک ایسے گھرانہ میں جہاں راہ خدا میں سرفروشی و جاں بازی کی داستانیں، سیرت نبویؐ واسلامی فتوحات کی منظوم تاریخ اور شاہنامے پڑھے جاتے تھے جو اس خاندان کے بعض بزرگوں نے نظم کیے تھے، جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور عربوں کی محبت ان کے رگ وجان میں رچ بس گئی اور وہی احساسات ان کے کمند ہمت کے لیے مہمیز اور ساز قلم کے لیے مضراب ثابت ہوئے۔

وہ ایسا خانوادہ ہے جس کا مدتوں سے یہ شعار تھا کہ ٹھیٹھ اسلامی عقائد اور صحیح تزکیہ نفس وروحانیت، پاکیزہ جذبات اور ادب وشعر کے صحیح ذوق اور مختلف النوع علوم کے سرچشمہ سے سیراب ہونے کی درمیان کوئی تضاد نہیں، انہوں نے شعور کی منزلیں اس وقت طے کیں جب کہ در و دیوار پر علامہ اقبالؒ کے اشعار گونج رہے تھے، اور ہر جگہ اسی کی فرماں روائی تھی، وہ اشعار جو محبت والفت، ایمان ویقین، اسلام کی صلاحیت پر یقین کامل اور اس کی ہدایت پر ایمان سے بھرے ہوئے تھے، انھیں جذبات کو انھوں نے اپنی آئندہ زندگی میں اپنے افکار کی اساس بنایا۔

ایسے والد کی آغوش میں وہ پروان چڑھے جو عقائد کی صحت وپختگی، قوت ایمانی، قلب ودماغ کی وسعت، جدید مطالعہ اور حقیقت پسندی میں ممتاز تھے، وہاں مذہب وسائنس اور قدیم وجدید کا کوئی تضاد نہ تھا، وہ مشرقی ومغربی علوم کے چشموں سے یکساں طریقہ پر بہرہ ور ہوئے تھے، اور انھوں نے ان دونوں کے بہترین وحسین ترین اجزاء کو جذب کر کے ان کے درمیان ایک حسین ودل آویز امتزاج پیدا کرلیا تھا، اور اس طرح وہ ایسا ''مجمع البحرین'' بن گئے تھے جس کی مثال اُس عصر میں ملنی مشکل ہے۔

ولادت، نشوونما اور تعلیم و تربیت:

۱۷/رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۵ء کا دن گزرا کر سہ شنبہ کی شب کو پیدائش ہوئی، سب نے خوشی سے زیادہ اس کی حیات، اس کی صحت وعافیت، اس کی علمی، دینی اور دنیاوی ترقی کی دعائیں مانگیں۔

بچے کی دادی محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر جو مناجاتیں کہتی تھیں، اپنے نومولود پوتے کے حق میں یوں گویا ہوئیں ؂

صدقہ احمد کا محمد ہو مرے گھر کا چراغ
دیکھ کر اس کو الٰہی سب کے دل ہوں باغ باغ
خوب پیدا کر الٰہی تو محمد میں کمال
ہو محمد یا الٰہی جد امجد کی مثال
خوش ہوں اس کو دیکھ کر اس کے عزیز ووالدین
سب کی آنکھوں کی ہو ٹھنڈک اور دلوں کا ہو وہ چین
نظم ہو مقبول میری اور خوش انجام ہو
کام ہو میرا ترے فضل وکرم کا نام ہو

اس نظم کے کہنے کے ۳۵/سال بعد جب اس نومولود بچے کو خدا نے

علم وفضیلت کا آفتاب بنایا اور دادی کی دعا کو تمام وکمال قبولیت بخشی تو خود اس کے قلم فیض رقم نے اپنے حق میں اس نظم پر اپنے تأثر کا اس طرح اظہار کیا: ''راقم سطور کی ولادت کے موقع پر اماں بی نے ایک دعائیہ نظم کہی تھی جس کا عنوان ہے ''کام ہو میرا ترے فضل وکرم کا نام ہو''، یہ نظم بڑی مختصر اور پر اثر ہے اور میں اس کو اپنے لیے سرمایۂ سعادت اور وسیلۂ نجات سمجھتا ہوں''۔ (ذکر خیر صفحہ ۹)

مولانا محمد الحسنیؒ جس دور میں پیدا ہوئے اور جس گھر میں ان کی ولادت ہوئی، وہ بڑا مردم خیز اور علمی، سیاسی اور دینی لحاظ سے بڑا مہتم بالشان تھا، ولادت سے لے کر وفات تک وہ اہل علم وقلم کے گہوارہ میں رہے، اہل درد وسوز اور اہل دل کی مجلسوں میں بیٹھے، آنکھ کھلی تو اس ماحول میں اور آنکھ بند ہوئی تو اسی ماحول میں، زندگی کے سفر کا آغاز یہیں سے ہوا، اور سفر کا انجام بھی یہیں ہوا، محمد میاں نے اپنی آنکھیں کھولتے ہی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو دیکھا، تین سال کے ہوئے تو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی گود میں بیٹھ کر دعائیں لیں، سات آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی تحریک تبلیغ اور حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث کی زیارت کی، گیارہ سال کے ہوئے تو حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث کی دعائیں لیں، پھر یہ سلسلہ جو شروع ہوا تو علماء و مشائخ کی آنکھوں کا تارا بن گئے اور آخر عمر تک بے شمار مشائخ کی خدمت میں گئے، اور اپنے گھر پر ان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

مولانا محمد الحسنیؒ کے نشو ونما کا زمانہ بڑا بابرکت زمانہ تھا، ہر طرف علم کا چرچا تھا، گھر میں اپنے والد ماجد ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ، اپنے عم مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو پایا، اور ان کی شفقتوں اور محبتوں کے نقوش اپنے دل ودماغ میں ثبت کیے، ایسی شفیق ماں پائی جس کی نیکی، متانت، سادگی اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی شہادت ہر دیکھنے والی آنکھ دیتی ہے، گھر میں باپ، چچا اور شفیق ماں کے علاوہ بعض اور خاندانی بزرگوں اور اہل علم کی شخصیتوں کی آمد ورفت اور قیام نے اور مسلسل علماء ومشائخ کی توجہات، دعاؤں اور زیارتوں نے مولانا محمد الحسنیؒ کی شخصیت کو بڑے اچھے بلکہ اچھوتے سانچہ میں ڈھالا، ان کو جو علم ملا وہ کسبی کم وہبی زیادہ تھا، وہ گویا اہل زبان، اہل علم اور اہل دل حضرات کی گودوں میں پلے بڑھے اور پھلے پھولے، خدا نے ان کو علم وعمل، صلاح وتقویٰ، سادگی ومتانت، کم گوئی اور حیا و پاک دامنی کی دولتوں سے بے محنت نواز کر بے ہمہ اور باہمہ شخصیت کا مالک بنایا۔

۱۹۳۹ء میں جبکہ مولانا محمد الحسنیؒ کی عمر چار سال کی تھی، گھر میں تعلیم کے لیے بٹھائے گئے، اور اپنی بہنوں کے ساتھ وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے لگے تھے، مگر قاعدہ سے ۱۹۴۱ء میں جبکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دوبارہ لکھنؤ تشریف لائے اور تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا تو کسی تاریخ کو بعد ظہر خواص کی مجلس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ان کو لے گئے، حضرت نے پاس بلایا اور بسم اللہ کرائی۔

مولانا مرحوم کی پوری تعلیم مروجہ نظام تعلیم کے خلاف ہوئی، پہلے اپنے گھر پر والد، بہنیں اور پھوپھی زاد بھائیوں کے ذریعہ اور پھر مولوی عبداللہ کشمیری سے اور پھر مولانا محمد مرتضی مظاہری سے مختلف ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد خارجی طور پر قرآن مجید کے ترجمے، حدیث کی اعلیٰ کتابیں اور تاریخی وادبی کتابیں پڑھیں۔

علماء ومشاہیر کی آمد اور ان کی تصنیفات کی کثرت نے ہر علم وفن کے مطالعہ کا دروازہ کھول دیا، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی ''تفسیر ماجدی''، ان کی ''انشاء ماجد''، ''حکیم الامت نقوش وتأثرات''، نیز ''صدق جدید'' اور ''سچ'' کی فائلوں نے مولانا محمد الحسنیؒ کی زبان وادب کو نکھارنا شروع کر دیا، وہ فکر وذوق میں اپنے عم مکرم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مثنیٰ اور زبان وادب میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے شاگرد ٹھہرے۔

انہوں نے اپنے عم مکرم کی چھوٹی بڑی قدیم وجدید ساری کتابوں اور ان کے سارے مضامین کو جو مختلف رسائل اور ماہناموں میں چھپتے رہے تھے پوری توجہ اور انہماک سے پڑھا، اور ان کے اسلوب، طرز

تحریر، فکر و ذوق اور احساسات و خیالات کو اپنا کر اپنے قلم میں ان کو سمودیا، اوران کو اپنے لیے مثل اعلیٰ بنا کر قلمی جہاد شروع کر دیا۔

مولانا محمد الحسنیؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۹ء تک تقریباً تیس سال مسلسل پڑھتے رہے اور لکھتے رہے، یہ ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ تھا، اور اسی طرح جہاد بالقلم کرتے کرتے انھوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

اس میں دورائے نہیں ہوسکتی کہ زبان وقلم، فکر وذوق، احساسات و خیالات اور قلب ونظر کی کیفیت اور جسم وجان کی یگانگت حتی کہ رسم الخط اور طرز ادا میں بھی ان دونوں چچا اور بھتیجے میں ایسا حسین، ایسا جمیل اور ایسا دل کش امتزاج پیدا ہوگیا تھا کہ دونوں یک جان دو قالب بن کر رہ گئے تھے۔

سفر حجاز:

۱۹۶۷ء میں مولانا محمد الحسنیؒ نے حجاز مقدس کا پہلا سفر کیا، یہ سفر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی معیت میں ہوا، حضرت مولاناؒ واپس آگئے مگر محمد میاں نے ان سے اجازت لے کر مزید قیام کا فیصلہ کیا، اور اس مدت میں انھوں نے مدینہ منورہ میں چھ ماہ سے زائد عرصہ تک قیام کیا، اور فریضۂ حج بھی ادا کیا، یہ سفر رجب ۱۳۸۷ھ (اکتوبر ۱۹۶۷ء) میں ہوا۔

اس سفر میں وہ وہاں کے وزیر تعلیم معالی الشیخ حسن بن عبداللہ بن حسن سے ملنے کے لیے شیخ محمد محمود الصواف کی معیت میں طائف گئے تو انھوں نے بڑی گرمجوشی سے ''البعث الاسلامی'' کے جوان مدیر کا استقبال کیا، اور رسالہ سے اپنی گہری دلچسپی وتأثر کا اظہار کیا، ۱۹۷۲ء میں حجاز مقدس کا دوسرا سفر کیا، یہ سفر "الندوة العالمية للشباب الإسلامي" کی دعوت پر ہوا، اور انھوں نے تنہا سفر کیا، حجاز کا آخری سفر ۱۹۷۴ء میں پیش آیا، جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اجلاس شوریٰ کے موقع پر ہوا، یہ سفر ایک مہینہ کا تھا۔

انھوں نے عمر صرف ۴۴ رسال کی پائی، ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۳ر جون ۱۹۷۹ء میں دنیا سے رخصت ہوئے، اور اتنی کم عمری میں ایک بڑا علمی کارنامہ انجام دے کر اپنے رب سے جاملے اور ہم لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

عربی واردو میں تحریری خدمات اور قلمی جهاد:

۱۹۵۲-۵۳ء میں مولانا محمد الحسنیؒ کتابی علوم سے تقریباً فارغ ہوگئے تھے، اور وہ اپنے قلم سے علم ودین کی خدمت کرنے لگے تھے۔

۱۹۵۵ء تک مولانا مرحوم کو عربی مضامین لکھنے اور عربی سے اردو اور اردو سے عربی میں ترجمہ کرنے میں وہ کمال حاصل ہوگیا تھا کہ اس عمر میں (جو اس وقت محمد میاں کی تھی یعنی ۲۰ رسال) بہت کم عجمی جوانوں کو حاصل ہوتا ہے، مولانا مرحوم نے اپنے چند خصوصی دوستوں اور ساتھیوں کے مشورہ سے ایک عربی رسالہ کا ''البعث الاسلامی'' کے نام سے ڈیکلریشن داخل کردیا اور اکتوبر ۱۹۵۵ء کو اس کا پہلا شمارہ شائع کیا جو لیتھو پر چھپا۔

شروع شروع میں عربی زبان کی اس خدمت کی راہ میں بڑی مشکلات پیش آئیں، چونکہ یہ رسالہ مولانا محمد الحسنیؒ نے اپنے ذاتی خرچ پر نکالا تھا، اس لیے ہر ماہ مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، مدوجزر کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا، اور مولانا مرحوم کے پایۂ ثبات کو اور اس کی وجہ سے ان کے قلم کی روانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ان کا گھر اس رسالہ کا دفتر تھا، وہیں مرتب ہوتا، وہیں پوسٹ ہونے جاتا، اس رسالہ کو ہندوستان کے عربی مدارس اور علمی حلقوں میں تو کم، مصر وشام اور حجاز ونجد کے علمی حلقوں میں زیادہ بازیابی ملی، اہل عرب علماء اور ادباء کے خطوط آنے لگے، اور اس کی مانگ بڑھنے لگی۔

کچھ مدت کے بعد جب اس کی اشاعت بڑھنے لگی اور اس سے ندوہ اور اہل ندوہ کا تعارف ہونے لگا، تو ندوہ کے ارباب حل وعقد کی رائے ہوئی کہ اس رسالہ کو ندوہ کا آرگن اور ترجمان بنا لینا چاہیے اور مولانا محمد الحسنیؒ سے کہنا چاہیے کہ وہ ندوہ کو دے دیں، اس رائے کے مطابق انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت سے نکال کر اس کو ندوہ کے حوالے

کر دیا، اور بحیثیت مدیر کے آخر عمر تک کام کرتے رہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''البعث الاسلامی'' کے اجراء کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۵۲ء میں جب مصر میں انقلاب آیا اور زمام اختیار و قیادت صدر ناصر کے ہاتھ آئی اور قومیت عربیہ کی وہ تیز و تند آندھی اٹھی جو عرب نوجوانوں بلکہ پختہ کار عربوں کی بھی ایک بڑی تعداد کو اُڑا لے گئی، بڑے بڑے تناور درخت اور علم و ادب کی کوہ پیکر شخصیتیں اس طوفان میں پتوں کی طرح اڑتی اور اس سیلاب میں تنکوں کی طرح بہتی نظر آتی تھیں، اس وقت یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ فکر اسلامی اور دعوت اسلامی کی ترجمانی کے لیے عربی کا ایک رسالہ نکالا جائے، اس وقت پورے تحتی براعظم میں عربی کا کوئی رسالہ نہ تھا، ندوۃ العلماء کا آرگن ''الضیاء'' ۱۹۳۵ء ہی میں بند ہو گیا تھا، عربی صحافت کا مزاج ایسا بگڑا تھا کہ جو لوگ اس فتنۂ عالم آشوب سے متاثر نہیں تھے اور قومیت عربیہ اور مصری قیادت پر تنقید کرنا چاہتے تھے، ان کے مضامین کا کسی اخبار و رسالہ میں چھپنا بھی دشوار تھا، اور اگر وہ کہیں چھپتے تو یہ رسائل ان غضبناک نوجوانوں کے عتاب کا نشانہ بن جاتے جو اس فلسفہ پر ایمان لا چکے تھے، اور جن پر قومیت و اشتراکیت کا نشہ چھایا ہوا تھا، ۱۹۵۵ء میں جب یہ تحریک اپنے شباب پر تھی اور سارا مشرق وسطیٰ (الا ماشاء اللہ) اس نشہ سے مست اور اپنے جامہ سے باہر ہو رہا تھا، ہم لوگوں نے عربی رسالہ کے اجراء کا ارادہ کیا، اس سے کچھ پیشتر محمد میاں کا ایک مضمون رسالہ ''المسلمون'' میں ''العالم الاسلامی علی مفترق الطرق'' (دنیائے اسلام دوراہے پر) کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ (تعمیر حیات، خصوصی نمبر/۱۶۴)

اب مولانا محمد الحسنیؒ کا قلم رواں دواں ہو گیا، ''البعث الاسلامی'' کے مضامین تہلکہ مچائے ہوئے تھے، کہ ''الرائد'' بھی ندوۃ العلماء سے نکل آیا، جس کے ذمہ دار بھی ان کے ہی ایک بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی تھے، اس میں بھی مولانا محمد الحسنی لکھنے لگے۔

''تعمیر حیات'' کا اجراء:

۱۰/نومبر ۱۹۶۳ء میں مولانا محمد الحسنیؒ کی ادارت میں ندوۃ العلماء کے ترجمان کے طور پر ''تعمیر حیات'' کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا، وہ عربی میں ''البعث الاسلامی'' پہلے ہی سے نکال رہے تھے، یہ اضافی ذمہ داری بھی انھوں نے لی، تعمیر حیات کے ذریعہ سے انہوں نے ندوۃ العلماء اور اس کے دارالعلوم کے نظام و نصب العین اور خدمات سے مسلمانوں کو روشناس کرایا، اور ہر موضوع پر بڑے مفید مقالات لکھے۔

مولانا محمد الحسنیؒ نے اپنے پہلے اداریہ میں ندوۃ العلماء کے نصب العین، اس کی دعوت اور نظام عمل پر پوری بحث کی اور اس عہد کی تجدید کی جو ۱۳۱۱ھ میں علماء نے فیض عام کالج کانپور میں اکٹھے ہو کر مولانا سید محمد علی مونگیری کے ندوۃ العلماء کے تخیل کو پیش کرنے پر متفقہ طور پر کیا تھا، لکھتے ہیں:

''یہ دراصل اس عہد کی تجدید ہے کہ ندوۃ العلماء نے جو دعوت، نصب العین اور نظام عمل مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا، اور جس نے ان کے اندر زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کر دی تھی وہ دعوت اور نصب العین ایک طرف علوم نبوت کا حامل و داعی و شارح و ترجمان اور مسلمانوں کی معاشرتی و دینی اصلاح - رفع نزاع باہمی اور اخوت اسلامی کا - آئینہ دار ہے اور دوسری طرف مغرب کے چیلنج کا ٹھوس اور عملی جواب بھی ہے، یہ دو اس کے ایسے شہپر ہیں جو اس کی بلند اور نتیجہ خیز پرواز کے لیے ضروری ہیں، وہ نہ مرعوبیت کا قائل ہے نہ فرار کا داعی، نہ مغربی علوم اور مادی وسائل و ترقیات کا بالکل منکر ہے نہ اس کا مقلد جامد اور خوشہ چیں، وہ نہ ان علوم و مسائل اور صنعتی ترقیات سے وحشت رکھتا ہے نہ ان سے مقاصد کا سا معاملہ کرنا چاہتا ہے، وہ مغربی تہذیب کی قوت و وسعت، جاذبیت اور اثر انگیزی کا معترف بھی ہے، اور اس کے معنوی افلاس، باطنی ظلمت اور بے مقصدیت اور بے یقینی کی اس کیفیت سے بھی واقف ہے جو یورپ کے حسین و جمیل مظاہر کے اندر پوشیدہ ہے، اور اس کو حقیقی قلبی اطمینان اور باطنی مسرت سے یکسر محروم کر رکھا ہے۔

ندوۃ العلماء کے یہ دو ایسے بازو ہیں جو اس کی متوازن ترقی وپیش قدمی کیلئے بے حد ضروری ہیں، اور ان دونوں کے صحیح تناسب کو ملحوظ رکھنا ندوہ کے ہر طالب علم، ہر ذمہ دار اور ہر بہی خواہ کا فرض ہے'' (تعمیر حیات ۱۰ر نومبر ۱۹۶۳ء) یہ پندرہ روزہ رسالہ مسلسل اشاعت کی نصف صدی مکمل کر چکا ہے اور پوری آب وتاب کے ساتھ اپنے بانی مدیر کو خراج عقیدت پیش کر رہا ہے۔

انداز نگارش اور زریں خدمات:

مولانا محمد الحسنیؒ کا انداز نگارش بڑا اچھوتا، بڑا موثر اور دلکش تھا، ان کا سب سے پہلا مضمون شام سے نکلنے والے اخوانی مجلّہ ''المسلمون'' میں جب شائع ہوا تو اس کے پڑھنے والے علماء اور ادباء، اہل قلم حضرات نے مضمون نگار کے متعلق جو تصور قائم کیا وہ یہ تھا کہ اس کا لکھنے والا ایک بڑا فاضل، ایک بڑا ادیب اور علامہ قسم کا کوئی عمر رسیدہ شخص ہوگا، مولانا محمد الحسنیؒ کے اس پہلے ہی مضمون نے، ان کے قلم کی تاثیر، حلاوت اور جذب وکشش نے مشہور سے مشہور اہل قلم کے دلوں کو موہ لیا، وجہ اس کی یہ تھی کہ انھوں نے جب اپنے قلم کی کشتی کو باطل کی تحریکوں کے خلاف جہاد کے لیے وقت کے سمندر میں ڈالا تو اپنے قلم کی اس کشتی کا ناخدا اپنے عم محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے قلم کو بنایا، اس وقت حضرت مولاناؒ کے قلم کی حکمرانی تھی، اور اس کا سکہ مصر وحجاز اور مغرب اقصیٰ میں چل رہا تھا۔

اب یہاں ہم ترتیب وار مولانا مرحوم کی عربی وارد و تالیفات، رسائل اور تراجم کا تذکرہ کرتے ہیں۔

آپ کی عربی کتابیں:

(۱) الاسلام الممتحن:

چھوٹے سائز میں ۲۵۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سب سے پہلے مصر میں منظر عام پر آئی، ہندوستان میں دار عرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی، یہ ''البعث الاسلامی'' کے افتتاحیوں کا مجموعہ ہے جسے خود مصنف نے عرب دوستوں کے تقاضہ پر مرتب کیا، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا بڑا ہی طاقتور مقدمہ بھی ہے، جس میں کتاب اور مؤلف کتاب کے سلسلہ میں بڑے اونچے کلمات تحریر فرمائے ہیں، عالم عربی میں اور بلاد عجم میں عربی کا شوق رکھنے والوں میں بڑی ہی مقبول ہوئی ہے، اور عرب نوجوانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، متعدد ایڈیشن اس کے سامنے آچکے ہیں، سب سے پہلے ۱۹۷۵ء میں پھر ۱۹۷۸ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی پھر پے در پے ایڈیشن سامنے آتے رہے، ''الاسلام فی مفترق الطرق'' پہلا مقالہ ہے اور آخری مضمون ''حسن البنّا في محراب التاريخ الاسلامي'' کے عنوان کے تحت ہے، موضوعات مختلف ہیں، سیاسی، دینی، اجتماعی اور ادبی ہیں، البتہ دینی رنگ اور اسلامی فکر ہر موضوع پر غالب ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں اپنے دین اصول واقدار سے رشتہ کمزور نہ ہونے دیں، اور نئے سرے سے اسلام پر اعتماد بحال کریں۔

(۲) تناقض تحار فيه العيون وتطابق يسر به المؤمنون:

یہ کتاب چار مقالات کا مجموعہ ہے، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مقدمہ کے ساتھ پہلے دار عرفات رائے بریلی سے پھر المختار الاسلامی قاہرہ ''العالم الإسلامي بين التبعية والذاتية'' کے عنوان سے شائع ہوئی، پہلا مقالہ ''سؤال حائر يحتاج إلى جواب'' ہے جو کہ البعث الاسلامی میں شائع ہونے والا ان کا آخری مضمون ہے، انھوں نے عربوں اور مسلمانوں کی زندگی میں جو تضاد دیکھا اس پر ارکان حکومت اور دانشوروں کی خبر لی ہے، اور آخری مقالہ ''تطابق يسر به المؤمنون'' ان کی زندگی کا آخری مقالہ ہے جو ''الرائد'' میں شائع ہوا تھا اور جس میں انھوں نے جامعۃ البعث الاسلامی کا تصور دیا، اس کا عنوان بھی یہی تھا۔

(۳) المنهج الاسلامي السليم:

یہ کتاب مؤلف کی وفات کے پانچ سال بعد دار القلم کویت سے شائع ہوئی، اس پر بھی مقدمہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ہے، یہ بھی ان مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے جو البعث الاسلامی میں شائع

ہوئے تھے، ان سب میں ایک ہی مشترک پیغام ہے، وہ یہ کہ مسلمان عرب ہوں یا عجم زندگی کے تمام میدانوں میں دین وشریعت کی ہی بالادستی قائم رکھیں، دعوت کی مشکلات اوراس کے اسالیب، نئی نسل کے ایمان وعقیدہ اور دینی شعور کی بیداری کی فکر، مغرب کی تہذیبی وثقافتی غلامی سے گلوخلاصی اورعقیدۂ آخرت اور اسلام کے مکمل نظام حیات ہونے پر طاقتور اسلوب میں رہنمائی کی ہے۔

(۴) **مع الحقيقة**:

چھوٹے سائز کے ۲۲۷ رصفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے، ۳۳ر مضامین ہیں، جومختلف موضوعات پر انھوں نے لکھے، یہ مضامین بھی ''الرائد'' اور'' البعث الاسلامی'' میں شائع ہو چکے ہیں، سید احمد شہید اکیڈمی دارعرفات رائے بریلی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔

(۵) **أضواء على الطريق**:

چھوٹے سائز کے ۲۲۸ رصفحات پر مشتمل یہ مجموعہ مضامین ۲۰۰۳ء میں منظر عام پر آیا، یہ ایک سلسلۂ مضامین تھا جو''الرائد'' میں مستقل طور پر'' أضواء علی الطریق'' کے عنوان سے چلتا رہا، سیرت کے واقعات اور صحابہ کے نقوش کو سامنے رکھ کر زندگی کے رہنما اصول بتائے گئے ہیں، یہ کتاب بھی سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی نے شائع کی۔

(۶) **إلى القيادة العالمية**:

''البعث الاسلامی'' میں مختلف مناسبتوں سے جو مقالات تحریر کیے، یہ ان کا مجموعہ ہے، عالمی قیادت کے حصول کا راستہ اور منہج بتایا گیا ہے، مصنف نے یہ مجموعہ خود مرتب کردیا تھا، مصر سے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

(۷) **مصر تتنفس**:

مصر کے حالات اور تبدیلیوں پر یہ مقالات کا مجموعہ ہے، یہ بھی البعث الاسلامی میں شائع ہوتے رہے ہیں: "دولة المؤامرات، آلة التعذيب تتكلم، الصنم الأكبر، تاريخ صنع في السجن، شهداء الإخوان يتكلمون، لا ياصاحب "الأهرام"، القومية الهندية تتساءل" اور''مصر تتنفس'' جیسے طاقتور و مؤثر مقالات و مضامین ہیں کل ۲۴ رمقالات ہیں۔

(۸) **همسات إلى جزيرة العرب**:

یہ کتابچہ ہے جو دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع ہوا، جس میں جزیرۃ العرب کی عالم اسلام میں اہمیت اوراس کے تقاضوں اورعربوں کی ذمہ داریوں کو یاد دلایا گیا، اوراس تضاد پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے جو جزیرۃ العرب کے معاشرہ میں پایا جارہا ہے۔

(۹) **الإسلام بين لا و نعم**:

یہ بھی کتابچہ ہے، جس میں اسلام سے متعلق اور اسلام سے غیر متعلق چیزوں کا ذکر کرکے صحیح اور مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

(۱۰) **ندوة العلماء تواجه التحدى الكبير**:

ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر یہ رسالہ دفتر اجلاس نے شائع کیا تھا، جس میں عصری مسائل میں ندوۃ العلماء کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱۱) **صور و أوضاع**:

غیر مطبوعہ ہے،''البعث الاسلامی'' میں ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اس عنوان کے تحت حالات حاضرہ اور واقعات عالم پر فکر خیالات و تعلیقات کے طور پر لکھے گئے، ذیل میں مولانا کی عربی سے اردو میں ترجمے کی ہوئی کتابیں:

(۱) **بين الصورة والحقيقة**:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے لکھنؤ میں جماعت تبلیغ کے ایک پروگرام میں ۱۹۴۹ء میں''صورو حقیقت'' کے عنوان سے تقریر فرمائی تھی، اس وقت مولانا محمد الحسنی کی عمر صرف ۱۴رسال تھی، انھوں نے اس کو اردو قالب میں ڈھال کر پیش کیا، تو اصل اور ترجمہ کا کوئی فرق نہیں محسوس کیا گیا۔

(۲) **فضل البعثة المحمدية على الإنسانية ومنهجها**

العالمية الخالدة:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ۱۹۷۵ء میں لکھنؤ کے ایک بڑے پروگرام ہال میں سیرت نبوی کے موضوع پر اردو میں ایک زبردست تقریر کی تھی، اس پروگرام مسلم وغیر مسلم دونوں شریک تھی، مولانا سید محمد الحسنی مرحوم نے اس کی معنویت واہمیت کے پیش نظر عربی میں منتقل کیا۔

۳- العالم الإسلامی بین التبعیة والذاتیة:

"الصراع بین الفکرة الاسلامیة والفکرة الغربیة" کا اردو ترجمہ ''اسلامیت و مغربیت کی کشمکش'' ہے، مؤلف کتاب مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے خاتمۃ البحث یعنی کتاب کا آخری مضمون اردو میں مؤلف نے تحریر کیا جس کا عربی ترجمہ مولانا سید محمد الحسنی سے کرنے کا تقاضہ کیا، یہ ترجمہ بھی ایسا فصیح ہے کہ کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ایک ہی کتاب میں دوسرا قلم بھی شامل ہو گیا ہے۔

۴- شهداء بالاكوت يتكلمون:

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب سیرت سید احمد شہید جلد دوم کا آخری مضمون ہے جسے انھوں نے اپنی عربی کتاب "إذا هبت ریح الإیمان" میں شامل کرنے کی غرض سے مولانا سید محمد الحسنی سے عربی میں ترجمہ کرایا، جو اس کتاب کا شاہکار ہے۔

۵-مكانة الصلوٰة فی الإسلام:

یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی مقبول عام کتاب ''فضائل نماز'' کا عربی ترجمہ ہے، اسلوب بیان دلچسپ ہے، اور عالم عرب سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔

اردو تصانیف

۱- سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ:

بانی تحریک ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری کی سوانح حیات ہے، یہ ندوۃ العلماء پر ایک قرض تھا جسے مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ نے پورا کیا، چار سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ندوۃ العلماء کی تاریخ کے حصہ اول کی حیثیت رکھتی ہے، اسی کے ساتھ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی اصلاح، تبلیغی، دعوتی وتعلیمی تاریخ اور فتنوں کے مقابلہ کی تاریخ کا ایک باب بھی ہے۔

۲- تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی:

حضرت سید احمد شہید کے جداعلیٰ اور عہد عالمگیری کے ممتاز شیخ اور حضرت سید آدم بنوریؒ کے نامور خلیفہ عارف باللہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی کا تذکرہ اور ان کے ممتاز خلفاء اور عالی مرتبت فرزندوں اور احفاد کے حالات زندگی پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۷۰ء میں لکھی، جسے مکتبہ اسلام لکھنؤ نے شائع کیا۔

۳-روداد چمن:

ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی (۳۱/اکتوبر اور ۱/۲/۳ نومبر ۱۹۷۵ء منعقدہ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی مفصل روداد ہے۔گویا جشن ندوۃ العلماء کی تفصیلی روداد کے سمندر کو'روداد چمن' کے کوزہ میں بند کیا۔

٤-پیام ندوۃ العلماء:

تحریک ندوۃ العلماء کا جامع ومختصر تعارف اور اس کے دارالعلوم کا منہج، مقاصد وطریقہ کار سبھی کچھ بہت خوش اسلوبی سے آ گیا ہے، ندوۃ العلماء کے کام اور پیام سے متعلق بڑی جامع کتاب ہے۔

۵-سوانح حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ:

یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ مؤلف کا اچانک سانحۂ وفات پیش آ گیا، خاکہ تیار کر چکے تھے، ابتدائی اوراق تحریر بھی کر چکے تھے۔

مرتب کردہ کتابیں

۱-پاجا سراغ زندگی:

یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ان تقریروں و خطبات کا مجموعہ جو انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اور دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کے سامنے دیئے، سب سے پہلے طلبائے بھٹکل نے شائع کیا اور اب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہو رہا ہے، مقبول ترین کتابوں میں ایک ہے، اور مولانا سید محمد الحسنیؒ کے

مقدمہ کے ساتھ ہے۔

۲-دعوت فکروعمل:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ۱۹۷۸ء میں پاکستان کے دورہ کے موقع پر مدارس، یونیورسٹیوں اور دوسرے ثقافتی وتعلیمی اداروں میں دیے گئے خطبات کا مجموعہ ہے، یہ بھی مولانا سید محمد الحسنیؒ کا مرتب کردہ ہے۔

اردو تراجم

۱-نبی رحمتؐ:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سیرت نبوی پر معرکۃ الآراء کتاب ''السیرۃ النبویۃ'' (عربی) کا ترجمہ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کتاب اردو میں ہی لکھی گئی ہے، مترجم نے ترجمہ کرنے میں غیر معمولی اہتمام کیا اور آداب کا لحاظ رکھا۔

۲-ارکان اربعہ:

اسلام کے ارکان اربعہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کے اسرار و مقاصد کے بیان، ان کے فوائد وثمرات کی تشریح، ان کے نتائج و اثرات کے جائزہ اور دوسرے مذاہب کے ساتھ تقابلی مطالعہ پر عدیم النظیر کتاب جس کے مصنف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ہیں۔

۳-معرکۂ ایمان و مادیت:

مصنف کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

''پیش نظر کتاب ''معرکۂ ایمان و مادیت'' راقم سطور کی عربی کتاب ''الصراع بین الایمان والمادیۃ'' کا اردو ترجمہ ہے، یہ کتاب ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء میں دارالقلم کویت کی طرف سے شائع ہوئی، ترجمہ کی خدمت مصنف کی اکثر عربی کتابوں کی طرح اس کے برادرزادۂ عزیز مولوی محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی نے انجام دی۔''

٤-تزکیہ واحسان یا تصوف و سلوک:

یہ کتاب مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''ربانیۃ لا رھبانیۃ'' کا فصیح اردو ترجمہ ہے، مترجم کی وفات کے بعد مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوا، تصوف پر یہ ایک البیلی کتاب ہے جس میں اس کا غیر جانبدارانہ مطالعہ وجائزہ پیش کیا گیا ہے۔

٥-جب ایمان کی بادبہاری چلی:

یہ بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''إذا ھبت ریح الإیمان'' کا فصیح ترجمہ ہے، جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی خدمات اور ان کے جہاد وتبلیغ وتربیت کے کاموں پر روشنی ڈالی گئی اور اس کے حیرت انگیز ثمرات ونتائج کو بیان کیا گیا، جو واقعات کی شکل میں ہے، ترجمہ اصل پر بھاری پڑتا نظر آتا ہے۔

٦-کاروان مدینہ:

یہ کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''الطریق إلی المدینۃ'' کا شگفتہ اور رواں ترجمہ ہے، ترجمہ کے لفظ لفظ سے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت عیاں ہے، بعض مضامین کا ترجمہ خود مصنف کے قلم سے ہے۔

۷-عالم عربی کا المیہ- تحلیل و تجزیہ، جائزہ و محاسبہ:

بیت المقدس اور عالم عربی سے متعلق فکرانگیز ولولہ خیز مضامین مقالات جسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے مختلف موقعوں اور مناسبتوں پر سپرد قلم کیے تھے اور جو ممتاز عربی مجلات میں شائع ہوئے، ان کا یہ مجموعہ ہے جو ''المسلمون وقضیۃ فلسطین'' کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔

۸-تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ:

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد پر جامع ومختصر رسالہ ہے جو عربی میں ''الامام الذی لم یوف حقہ من الانصاف والاعتراف'' کے نام سے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے لکھا جو ہزاروں کی تعداد میں'' دارالاعتصام'' قاہرہ سے شائع ہوا، جس کا طاقتور اردو ترجمہ مصنف کی خواہش پر مولانا سید محمد الحسنیؒ نے کیا۔

۹-طوفان سے ساحل تک:

یہ مولانا سید محمد الحسنیؒ کا کسی کتاب کا باقاعدہ پہلا ترجمہ ہے، اس سے پہلے چند رسائل کے ترجمے کیے تھے، اور وہ بھی عربی میں، یہ نومسلم (سابق لیوپولڈ ویس) محمد اسد صاحب کی انگریزی کتاب ''روڈ ٹو مکہ'' Road to Mecca کا ترجمہ ہے، قارئین کا تأثر یہ ہے کہ یہ ترجمہ اتنا سلیس رواں ہے کہ اصل کا گمان ہوتا ہے۔

ابھی چند برس قبل ان کے اردو مضامین کے دو مجموعے بھی سامنے آئے: (۱) ''قرآن آپ سے مخاطب ہے''، (۲) ''جادۂ فکر و عمل''۔

عربی زبان میں تحریری نمونے:

اپنی زندگی کے اس آخری شمارہ میں، انہوں نے اپنے قلم سے دو مضمون ایسے تحریر کیے تھے جو احتساب، حق گوئی و بے باکی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں، ایک مضمون کا عنوان ہے: ''سؤال حائر يحتاج إلى جواب'' اس میں سعودی حکومت کے سامنے ایک سوال رکھا اور بہت صفائی کے ساتھ اس کا محاسبہ کیا ہے وہ محاسبہ کرتے کرتے لکھتے ہیں:

''أيها الجزيرة وأيها الحواسى عليها والأفناء على أبنائها وبناتها ويا بنات تاريخها الحديث إن مؤاخذتنا عليكم ستكون أشد وأقسى بالنسبة إلى البلاد العربية الأخرى، وما دمتم واعين إلى دين الله الحنيف وما دمتم متماسكين بالكتاب والسنة وما دمتم تتخذون الإسلام منهجا و دستورا ونبراسا، ربما ان دعوتكم إلى الإسلام أقوى، فإن مؤاخذتنا عليكم على هذا القويم اشد وأنكى وهى أن لا تجعلوا أقوالكم متنافقة مع الحياة العامة فى البلد وما يجرى فى داخل البيوتات والأسر وما تعرضه النشاشة الفاتنة لأنظار الناشئين، أفلاذ أكبادكم التي تمشى على الأرض فإن هذه الدعوة الصارخة الشمرة العانية المكشوفة إلى الإسلام بل إلى التوحيد والكتاب والسنة، وهذا العطف النافع المبارك على النشاطات الإسلامية والحركات الإسلامية وتوزيع الكتب الإسلامية وإرسال المعونات والوفود والبعثات وطبع المصاحف وانشاء مدارس جديدة لتحفيظ القرآن الكريم تتناقض كليا مع هذا الترف الذى يوهن العقيدة ويوهن العزم بل ويوهن الجسم ومع هذه الأغنيات ومسلسلات الغرام ومظاهر العرى فى الاذاعات الرشية والمسموعة انها تتناقض مع هذا التفاوت الطبعي الفاحش بين المدنية والبادية وبين الأغنياء والفقراء ومع هذه العيشة الفرية الاستقراطية الإباحية المترفة الفارقة في الملاهي واللذات التي قد تشعرون بها وتلمسونها بالبنان.''

اسی شمارہ میں ''صور و أوضاع'' کے تحت اپنے مضمون ''يا مصر اشكري ولاتكفري'' میں مصر کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فهلمي إلى الإسلام قبل أن تشق العودة أو تطول الطريق، كوني دولة تعيش للإسلام لا دولة تعيش للقمة العيش، دولة تطمح إلى القيادة العالمية وهداية البشرية لا دولة تغير الازياء وتغير الاسيار بعد كل سنوات قليلة، إلى الإسلام من جديد اسلام سيمنحك الأمن والعزة والرخاء إلى جانب الثبات والاستقامة والوفاء.''

وہ بڑی جوش و تحمس کے ساتھ لکھتے ہیں:

''ما لي أراك تكفرين لابنك البار الامام الشهيد حسن البناء وتغمين إليك بسجن الارهابى وتهددين شباب الاخوان المسلمين شباب الطهر والعفاف ومعانقين الشباب الامريكى الهزيل المائع والشباب الاسرائيلى الخبيث الماكر.''

اپنے ایک مضمون میں ''الإسلام منهج شامل'' کے عنوان کے تحت اسلام کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:

''إن الإسلام ثقافه ولكنها ثقافة قرآنية، فقد سئلت عائشة رضى الله عنها عن خلق النبي الكريم صلى الله عليه وسلم

فقالت : كان خلقه القرآن. وإن الاسلام حضارة ولكنها حضـــارة إلٰهية وإن الإسلام مجتمعا ولكنها مجتمع رباني وان الذين يريدون ان يفضلوا الإسلام على الثقافة والحضارة وعن الاجتماع والسياسة ويقطعوا صلته بالمجتمع والبرلمان والمحكمة والإدارة والاقتصاد والتجارة لا يفعلون ذلك إلا جهلوا بالإسلام دياسا من عودته وهو عائد إن شاء الله وقد سمعنا وقع اقدامه فى بعض البلاد الإسلامية البعيدة عن معاقل العروبة والإسلام."

وہ اپنے ایک مضمون "نفحة من الحب أيها المسلمون" میں تحریر کرتے ہیں:

"ان الحب "اكسير" يزوب فيه الحقد كما يذوب الملح فى الماء ،وعصا سحرية تسخر القلوب المتحجرة الجافة،والطبائع المتمردة العاصية۔

وقد تتضاعف اهمية اذا رأيناه من ناحية فقه الدعوة،وحكمة الدعوة وشاهد نا عجا ئبه فى مجال التربية وعلم النفس۔

أنت لا تستطيع أن تهمل الدعوة الاسلامية بين الناس،وتدعوهم الى الدين الحق وقلبك لم يذق حلاوة الحب۔

ان المنطق والقانون لا يجذبان القلوب،ولا يقنعان الوجدان،انهما يهزمان الرجل ويصرعانه وربما يحدثان فيه بعض النقمة وبعض الحقد وبعض المقت تجاه هذه الدعوة،انما الشيء الذى تجذب اليه القلوب كالمقناطيس وتهوى اليه الأفئدة ويخضع له الجبابرة يلين به القساة والعصاة الغلاظ الشداد فهو الحب والاخلاص".

اردوزبان میں تحریری نمونے(تصحیح نیت):

مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مسلمانو! نیت سرفہرست ہے نہ کہ فہرست کے آخر میں، اور جب صحیح نیت کی جائے تو اس کے پھل بھی صحیح ملتے ہیں، اگرچہ وہ مادہ پرستوں کی نگاہوں میں ناکام اور اسباب ووسائل پر اعتماد کرنے والوں کی نظروں میں شکست خوردہ ہو، قدامت پرست اور رجعیت پسند اور سائنس اور علم و ادب کے مبلغوں کی نظروں سے اوجھل ہو"۔ (تعمیر حیات محمد الحسنی نمبر)

اسلام کیا ہے؟:

"اسلام کی روح اور اس کا پیغام یہ ہے کہ تم حالات کو بدلنے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہو، حالات کے محور پر گردش کرنے کے لیے نہیں، لیکن

شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں عبادت و تلاوت، معاملات ومعاشرت، کسب ومعیشت، غرض کہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر میدان میں خدا پر نگاہ رکھو، خدا سے اپنے معاملے درست رکھو، تمہاری زندگی میں کوئی جھول تمہاری معاشرے میں کوئی چیز خلاف اسلام اور تمہاری اسلامی و انسانی حقوق وتعلیمات میں خدا کی کوئی نافرمانی اور اس کے حکم کی پامالی نہ ہو"۔ (رضوان محمد الحسنی نمبر، ص/۹۰)

احسان:

"احسان کی سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس کا صلہ جلد طلب نہ کیا جائے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ صلہ کی آرزو ہی دل میں نہ رکھی جائے، اور استقامت واستقلال کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، اس حال میں شکوہ وشکایت اور جلد مایوسی اور بار بار روش اور مسلک کی تبدیلی اور گھبرا گھبرا کر نئے نئے راستوں پر بادہ پیمائی نہ صرف ممنوع بلکہ اس کے لیے بہت بدنمائی اور رسوائی کی بات ہے، اس سے اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ یہ صلاحیت ابھی اس فرد یا جماعت میں اچھی طرح پیدا نہیں ہوتی یا اس قدر محدود اور کمزور ہے کہ وقتی تأثرات اور جذبات پر بھی غالباً نہیں آسکتی اور اعصابی اتار چڑھاؤ کو بھی قابو میں

نہیں رکھ سکتی، اس میدان میں محض صحیح راستہ پر ہونا کافی نہیں بلکہ اس راسہ پر پورا یقین بھی ہونا چاہیے''۔ (رضوان محمد الحسنی نمبر ص/۹۰)

ایمان اور دعوت:

''ایمان نہ بیچا جاسکتا ہے، نہ خریدا جاسکتا ہے، نہ مول تول کیا جاسکتا ہے، اور نہ تلوار اور پستول کے ذریعہ زیر کیا جاسکتا ہے، نہ فلسفہ و سائنس کے ذریعہ اور نہ نام نہاد کلچر کے ذریعہ اور نہ اس کنگال زوال پذیر تاریک تہذیب کے ذریعہ اور نہ خیر سے مفقود اور ایمانی نعمت سے محروم معلومات کے ذریعہ جو انسانیت کے لیے وبال بنی ہوئی ہے، اور نہ علم وادب کے پروپیگنڈوں میں اور نہ ان انقلابوں وترقیوں میں جس میں اپنا ضمیر اور اپنی جان فروخت کردی گئی اور اپنے قلم وزبان کو مادی چیزوں اور چند درہموں کے بدلہ میں فروخت کردیا گیا اور خود ہی اس سے غیر راغب تھے''۔ (تعمیر حیات نمبر ص/ ۲۹۸)

تعلق مع اللہ اور اعتماد و یقین:

''سارا قرآن وحدیث اعتماد وتوکل کی اہمیت اور اس کی برکتوں اور اثرات کے ذکر اور اس کے خلاف کرنے پر وعیدوں سے بھرا ہوا ہے، اور اس پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ توحید ورسالت کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔

دوسری چیز تعلق مع اللہ ہے جو اس اعتماد کی ساتھ لازم وملزوم ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تعلق مع اللہ کے بغیر اعتماد علی اللہ کا حصول بھی ممکن نہیں جب تک خدا سے رشتہ درست نہ ہوگا، نیت ٹھیک نہ ہوگی، اعمال کا محاسبہ نہ ہوگا، خدا سے محبت وخشیت کا تعلق پیدا نہ ہوگا، اس وقت تک اس پر اعتماد اور اس کے وعدوں پر کلی یقین کیسے حاصل ہوسکتا ہے''۔ (ماہنامہ ''رضوان'' محمد الحسنی نمبر ص/ ۵۷)

مولانا محمد الحسنیؒ نے شروع ہی سے اپنے عم مکرم ہی کے نقش قدم پر چل کر اپنے قلم گہر بار کے ذریعہ پوری جسارت وحق گوئی وبے باکی اور غیرت ایمانی کے ساتھ عرب قومیت، سوشلزم اور استعماریت کے خلاف آواز بلند کی، اور ان شخصیات اور حکومتوں کا پوری جسارت و جرأت کے ساتھ محاسبہ کیا جو اسلام کی دعویدار اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالے ہوئے ہیں، روز بروز ان کے قلم میں شوخی وتندی وتیزی اور ان کے ساتھ ساتھ نکھار پیدا ہوتا اور بڑھتا ہی گیا اور انھوں نے اپنی عربی وارد وتحریروں کے ذریعہ احتساب کی حد وہاں تک پہنچا دی کہ ''کلمۃ حق عند سلطان جائر'' کے مصداق بن گئے۔

مولانا محمد الحسنیؒ نے آخری وقت (۱۹۷۹ء) تک بلاخوف ''لومۃ لائم'' یہی فریضہ انجام دیا اور راہ کا سب سے بڑا روڑا جو خوف وطمع کی شکل میں اکثر مسافر کے قدم کو ڈگمگا دیتا ہے اور بڑے بڑے صاحب استقامت کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں اس نوجوان راہی اور مجاہد کے قدم کو نہ روک سکا اور اس کا قلم راہِ جہاد میں رواں دواں رہا اور تیز رفتاری کے ساتھ چلتا ہوا اس کی زندگی کی آخری سانس کے رکنے پر اس کو بھی مجبوراً ٹھہرنا پڑا۔

مولانا مرحوم کی حیات وعلمی خدمات اور تحریری چند نمونوں پر ہی یہاں اکتفا کیا جاتا ہے، ورنہ اس کے لیے پوری ضخیم جلد کی ضرورت ہے، یہاں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مراجع:

۱- پندرہ روزہ ''تعمیر حیات''، لکھنؤ خصوصی شمارہ
۲- ماہنامہ ''رضوان''، لکھنؤ خصوصی شمارہ
۳- ماہنامہ ''البعث الاسلامی''، مختلف جلدیں
۴- پندرہ روزہ ''الرائد''، متعدد جلدیں
۵- پرانے چراغ، جلد دوم
۶- سوانح مولانا محمد الحسنی، از مولانا محمد ثانی حسنیؒ
۷- مولانا مرحوم کی جملہ تصنیفات، رسائل اور ترجمے
۸- ۴۸ سال شفقتوں کے سائے میں، از مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی۔

فکر ونظر

اسلامی تہذیب کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟

مولانا سید طفیل احمد، بی، اے (علیگ)

اسلامی تہذیب کیا ہے؟ مختصر طور پر اس سوال کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ''اسلامی تہذیب نام ہے، اسلام کے نقش قدم پر چلنے کا'' حقیقت یہ ہے کہ ہر قوم کی تہذیب اس قوم کے مذہبی رہنماؤں اور پیشواؤں کے اعمال واقوال اور ان کے طرز معاشرت کی بنا پر قائم ہوتی ہے، مگر اس بارے میں مسلمان کا مسئلہ ایک بڑی حد تک دوسری قوموں سے جدا ہے، مسلمانوں کے پیغمبر کی تعلیمات، احکام، سیرت وآثار اور روز مرہ کی معاشرت کے حالات جس صحت واحتیاط کے ساتھ محفوظ کئے گئے ہیں، اس طرح کسی دوسرے مذہبی پیشوا کی زندگی کے حالات یا احکام محفوظ نہیں ہیں، اس لئے آج ہر قوم کے لئے یہ تقریباً ناممکن ہے کہ وہ اپنے مذہبی رہنما کے نقش قدم پر چلنے میں کامیاب ہوسکے، کیونکہ یہ نقش اس قدر دھندلے اور مٹے ہوئے ہیں کہ صاف طور پر نظر نہیں آتے۔

یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں یہ فخر صرف مسلمانوں ہی کے حصہ میں آیا ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ بانی اسلام کے ارشادات کا ایک ایک لفظ محفوظ رکھا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ اہتمام بھی کیا کہ آپ کی روز مرہ کی معاشرت اور معمولات زندگی کی تمام جزئیات کو بھی صحیح ترین تاریخی معیار پر مستند ذرائع اور سلسلہ روایت کے ساتھ ترتیب دیا، اسی مجموعہ اقوال وافعال کا نام شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ''حدیث'' ہے اور اسی کو ''سنت'' بھی کہتے ہیں، اس کا مرتبہ قرآن مجید کے بعد تسلیم کیا گیا ہے، یہ مجموعہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے روز مرہ کے اعمال زندگی کا صحیح ترین مرقع ہے، جو نہایت معتبر سلسلہ روایت کے ساتھ مسلمانوں کے پاس محفوظ وموجود ہے، اس سلسلہ روایت کی چھان بین کرنے میں علمائے حدیث نے اتنی محنت وکوشش کی ہے کہ دنیا کے کسی نہایت مشہور ومسلمہ تاریخی واقعہ سے متعلق بھی ایسی چھان بین نہیں کی گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری قوموں نے بھی اپنے رہنماؤں کی زندگی کے مرقعے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں، مگر بدنصیبی سے وہ اتنے دھندلے اور بے رنگ ہیں کہ ان میں ان مذہبی رہنماؤں کی تصویریں صاف طور پر نظر نہیں آتیں اور ان کی روز مرہ کی زندگی کے اعمال ومعمولات کا صحیح طور پر کچھ پتہ نہیں چلتا، اس پر مزید کوتاہی یہ کہ ''ان کی تعلیم'' بھی کسی صحیح سلسلہ روایت کے ساتھ محفوظ نہیں ہے، حضرت مسیح ہوں یا گوتم بدھ، رام چندر ہوں یا کرشن مہاراج، سب کی زندگی تاریکی میں ہے اور ان کے جو حالات کہیں کہیں ملتے ہیں ان کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔

جو لوگ اسلامی تعلیمات سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ ''احادیث'' یعنی سنت نبوی کا مرتبہ آسمانی کتاب کے بعد سب سے زیادہ بلند تسلیم کیا گیا ہے، گویا مذہب اسلام کا مدار قرآن وحدیث پر ہے، اور اس لئے یہی دو چیزیں اسلامی تہذیب کا سرچشمہ ہیں اور پیغمبر اسلام انسانی پیکر ہیں، اس سرچشمہ کا مکمل نمونہ، خدا نے قرآن مجید میں صراحتاً رسول کی پیروی کا حکم دیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ اپنی خواہش نفس کی بناء پر نہیں بلکہ احکام الٰہی کی بنا پر فرماتے ہیں: "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" وہ اپنے دل سے باتیں بنا کر نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ تو وحی ہے جو ان پر خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔

اس طرح ایک اور موقعہ پر آپ کی زندگی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" تمہارے سامنے رسول کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے دوسرے مذہبوں کی طرح اسلام صرف عقائد مخصوصہ کا نام نہیں ہے، بلکہ زندگی کا ایک مکمل ضابطہ یا بالفاظ دیگر مکمل تہذیب بھی ہے۔

صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین پیرو تھے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اتباع سنت کا سب سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور ان کی یہ پیروی زندگی کے ہر شعبہ میں تھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چلنا پھرنا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا سب چیزیں ان کے لئے پیروی کے قابل تھیں، اس کے بعد تمام علماء کا یہ مسلک رہا ہے کہ ترغیب دیں، نیز اسلام کے ہر دور میں جو مصلح اور ہر صدی میں مجدد پیدا ہوئے ان سب کے وعظ وتبلیغ کا اولین مقصد بھی یہی احیاء سنت تھا، خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: علیکم بسنتی" تم پر میرے طور طریق کی پابندی ضروری ہے، گویا اس طرح آپ نے مسلمانوں کو اپنے طریقہ حیات کی پیروی کرنے کی تاکید فرمائی، اسی بنا پر وہ تمام مصلح ومجدد جو اپنے اپنے زمانہ میں ہوئے مسلمانوں کو اتباع سنت کی تاکید کرتے رہے، ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی نے یہ خدمت بڑے اہتمام کے ساتھ انجام دی تھی، کیونکہ ہندوستان کے مسلمان دوسری قوموں کے اختلاط سے صحیح راستہ سے ہٹ گئے تھے اور شریعت سے بہت دور ہوگئے تھے۔

جیسے جیسے زمانہ نبوت سے دوری ہوتی گئی مسلمانوں میں غیر اسلامی رسوم ورواج داخل ہوتے گئے، ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہوں یعنی مغلوں کے تمدن کو دیکھا جائے تو اس میں بمقابلہ زمانہ سابق کے کافی تبدیلی نظر آئے گی، اس خاندان کے بادشاہوں اور درباریوں کی تصویریں اس وقت بکثرت موجود ہیں، جن میں صورت اور لباس کے اعتبار سے مسلم وغیر مسلم میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا، اسی طرح شاہی محل میں بکثرت غیر مسلموں کے طریقے اور رسمیں اختیار کرلی گئی تھیں، جب یہ چیز حد سے زیادہ بڑھ گئی تو مسلمان عالموں نے ان کا قلع قمع کرنے میں جدوجہد کی اور نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہات تک میں گھوم پھر کر سنت نبوی اور تہذیب اسلامی کو زندہ کیا، اگر دہلی میں شاہ عبدالرحیم کا خاندان اس خدمت کو انجام دے رہا تھا، تو بنگال کے دیہات میں مولوی شریعت اللہ وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو نہ صرف پابندی صوم وصلاۃ بلکہ انہیں مسلمانوں والی صورت بھی بنا رہے تھے، مولوی شریعت اللہ اٹھارہویں صدی کے آخر میں مکہ معظمہ جاکر سالہا سال تک وہاں رہے اور ۱۸۰۲ء میں ہندوستان واپس آکر اسلامی معاشرت وتہذیب کے پھیلانے میں مصروف ہوگئے، مولوی شریعت اللہ کے بعد حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی ۱۸۲۰ء میں حج کو گئے اور دو سال بعد وہاں سے ہندوستان آکر اسلامی تہذیب ومعاشرت کی اشاعت وتبلیغ کے کام میں مصروف ہوگئے، ان دونوں حضرات کے اثر سے نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہات تک میں مسلمانوں نے اسلام کی حقیقی تہذیب کو زندہ کیا، لیکن بدقسمتی سے حکام وقت نے انہیں مذہبی مجنون اور وہابی قرار دے کر ان پر بغاوت کے مقدمات چلائے، بنگال کے ہندو زمینداروں نے حکومت کا یہ رخ دیکھ کر مسلمان رعایا پر جن کے مسلمان ہونے کی شناخت داڑھی قرار دی گئی تھی، فی کس ڈھائی روپیہ ٹیکس لگایا اور جب ان لوگوں نے عدول حکمی کی تو حکومت کی مدد سے انہیں فوج کی گولیوں کا نشانہ بنایا، باوجود ان مظالم کے مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنی قدیم طرز معاشرت اور تہذیب پر قائم رہا، اگرچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ایسے بدنصیب مسلمانوں اور مسلمانوں کے عالموں کی تعداد کم نہ تھی، جنہوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا، مگر پھر بھی مسلمانوں کی کافی تعداد ایسی نہ تھی، قدرتاً اس قسم کے برگزیدہ لوگ حکومت کے نزدیک مشتبہ سمجھے گئے اور انہیں جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے، اسی قسم کے "مشتبہ" علماء کے ایک طبقہ نے اپنی مذہبی تہذیب کو قائم رکھنے کے لئے جب دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا تو حکومت ان سے اور زیادہ مشکوک ہوگئی، اسی طرح جب لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد

رکھی گئی تو اس پر سرکاری نگرانی قائم کی گئی، اسی کے ساتھ انگریزوں کے ایک نمک خوار خیر خواہ طبقہ نے جو انگریزی لباس و معاشرت کو اپنی اور اپنی قوم کی ترقی کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا، مذہبی جماعت پر اخبارات ورسائل کے ذریعہ حملے کئے، ان کے جبہ وعمامہ پر، ان کے طریق رہائش اور نشست و برخاست پر، جو سنت نبوی کے مشابہ تھے پھبتیاں اڑائیں، جہاد کو جو مذہبی حفاظت کا ذریعہ ہے، صرف قلبی جہاد میں محدود کیا اور ان طریقوں سے غیر ملکی حکومت کے محبوب بن کر بڑے بڑے عہدے اور خطابات حاصل کئے اور خوب خوب ترقیاں کیں۔

اسی نہج کے لوگوں کی نسبت نواب صدر یار جنگ بہادر نے مسلم ایجوکیشنل کانفرس کے ایک جلسہ ''اٹاوہ'' میں منعقد فرمایا تھا کہ جب ڈپٹی کلکٹری لینے کا وقت ہوتا ہے تو یہ انگریز صورت اصحاب مسلمان بن جاتے ہیں، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو غائب ہو جاتے ہیں، ان اصحاب نے اسلامی معاشرت، تہذیب پر قائم رہنے والوں اور سنت نبوی پر چلنے والوں کی تحقیر اور تذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، ان غریبوں کے متعلق حکومت کو یہ رپورٹیں کی گئیں کہ یہ سرحد سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس طرح ان پر سرکاری نگرانی قائم کرائی گئی، انگریزی صورت وسیرت پر جان دینے والا طبقہ جو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکل رہا تھا، اس کی طرف سے کہا گیا کہ ''ان ملاؤں'' کی وجہ سے مسلمانوں کی خیر خواہی و سلطنت پر حرف آتا ہے، یہ مسجد کے مینڈھے ہیں، غرضیکہ اس جماعت پر دوطرفہ مار پڑی، لیکن باوجود ان تمام مصائب کے اسلامی تہذیب کی جو کچھ محافظت کی انہوں نے ہی کی، تمام دنیاوی فائدوں پر لات مار کر اپنے مذہبی علوم پڑھے، سخت افلاس اور عسرت کی زندگی بسر کی لیکن حکومت وقت کے آگے اپنی زبان اور تہذیب کی حفاظت کے لئے گداگری کا دامن کبھی نہ پھیلایا، مگر اب اس قسم کے اہل دل حضرات پر پہلے سے کہیں زیادہ سخت وقت آیا ہے، یعنی انگریزی صورت اور انگریزی تمدن اختیار کرنے والے اور انگریزی زبان میں صرف لکھنے اور بولنے والے بلکہ اسی زبان میں سوچنے پر فخر کرنے والے اصحاب اپنے آپ کو مسلمانوں کی تہذیب کا محافظ قرار دے رہے ہیں، اور سنت نبوی کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے قربانیاں دینے والے طبقہ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا جا رہا ہے۔

ایک اور مصیبت ہے اور وہ یہ بدنصیبی سے ہمارے برادران وطن میں بھی تنگ خیال افراد کی ایک ایسی جماعت کچھ دنوں سے پیدا ہوگئی ہے جو اسلامی تہذیب سے خواہ مخواہ بیزار ہے، اور اس کا نام ونشان بھی باقی رکھنا نہیں چاہتی، اس لئے بحیثیت ایک شاندار اور مستقل تاریخ رکھنے والی قوم کے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اسلامی تہذیب وروایات کو زندہ رکھنے کی جان توڑ کوشش کریں اور اپنی اسلامی وقومی تہذیب کو دشمنوں کے نرغے سے (جنہوں نے اپنی کوتاہ اندیشی سے اپنی قدیم زبان اور تہذیب کو تمام ملک میں پھیلانے کا تہیہ کر لیا ہے) بچانے کی جدوجہد کریں، مگر یہ کام وہ اصحاب کیا کر سکتے ہیں جو خود سات سمندر پار کے رہنے والوں کو تہذیب میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور جو اپنے سیاسی جلسوں کی تقریروں میں سنت نبوی کی پیروی کرنے والوں کی طاقت توڑ دینے پر فخر کرتے ہیں، دراصل آج انہیں کی بدولت اسلامی تہذیب کے کچھ آثار باقی ہیں۔

لیکن اگر واقعی خدا نے ہمارے ''انگریزیت زدہ'' نوجوانوں کے دل پھیر دئے ہیں، اور اب وہ سچے دل سے اسلامی تہذیب کے دلدادہ ہوگئے ہیں، اور دیگر اقوام کے مقابلے میں اس کی حفاظت کرنا اور اسے قوم میں پھیلانا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ سب سے پہلے خود اس تہذیب کو اختیار کر کے خود کو ایک نمونہ بنائیں، ورنہ خیالی باتیں بنانے سے کیا حاصل؟ اصلاح کا پہلا قدم گھر سے شروع ہونا چاہئے، لیڈر کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکلے وہی اس کی اپنی رفتار وکردار سے ظاہر ہو لیکن افسوس ہے کہ آج مسلم کلچر کے تحفظ کے دعویداروں میں اکثریت ایسے لوگوں کی نہیں، کاش! یہ صورت حال بدل سکتی۔ (بشکریہ ماہنامہ ترجمان دیوبند/ جنوری ۲۰۰۳ء)

❁❁❁

سیرت نبویؐ

ربیع الاول اور جشن ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

ربیع الاول نام رکھنے کی وجہ:

یہ مہینہ اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے، ربیع از روئے لغت موسم بہار کو کہتے ہیں، چیت، بیساکھ کا زمانہ اکتوبر اور نومبر کی فصل جو مارچ اور اپریل میں تیار ہو جائے اس کو فصل ربیع کہتے ہیں، شروع میں جس وقت مہینوں کے نام رکھے گئے، تو یہ مہینہ فصل ربیع کے شروع میں آیا اس لئے اس کا نام ربیع الاول رکھ دیا گیا۔

ربیع الاول کی اھمیت وفضیلت:

یہ مہینہ دو وجہ سے خاص اہمیت کا حامل ہے:

(۱) یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں آفتاب نبوت طلوع ہوا جس کی دعا ہزاروں سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمائی تھی: "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ"۔ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار بھیج ان میں رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلا دے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کر ان کو، بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور جس کی بشارت حضرت عیسی علیہ السلام نے دی تھی: "وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِي اِسْرَآئِيلَ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّاْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ"۔ (سورۃ الصف آیت ۶)

اور جب کہا عیسی مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل! میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا اس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد، پھر جب آیا ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکر، کہنے لگے یہ جادو ہے صریح۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یعنی اصل توریت کے "من اللہ" ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام واخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت ان ہی اصول کے تحت ہے جو توریت میں بتلائے گئے تھے، یعنی پچھلے کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے کی بشارت سناتا ہوں، یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ سناتے آئے ہیں، لیکن جس صراحت ووضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں، شاید قرب عہد کی بنا پر یہ خصوصیت ان کے حصے میں آئی ہوگی، کیونکہ ان کے بعد نبی آخر الزماں کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا اور حضرت موسی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی امت میں ہونے کی آرزو کی تھی۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی، اور اس پر تو تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ یوم ولادت پیر کا دن تھا، چنانچہ مسلم شریف کی ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جو ابو قتادہ انصاری سے مروی ہے جس میں مذکور ہے کہ سرور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے پیر کے روزہ کے بارے میں معلوم کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذلك يوم ولدت فيه وانزل علي فيه" اسی روز میں پیدا ہوا اور اسی روز مجھ کو نبوت عطا ہوئی۔ (مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۳۶۸)

البتہ تاریخ ولادت میں شدید اختلاف ہے، مشہور تو یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کو ولادت ہوئی، لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ ۸/ربیع الاول کو ولادت ہوئی، چنانچہ علامہ قسطلانی (شارح بخاری) فرماتے ہیں کہ اکثر محدثین کا قول یہی ہے، گویا راجح آٹھ ربیع الاول کا قول ہے، ایک قول نو کا بھی ہے، بعض علماء نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔

(۲) دوسری اہمیت اس مہینہ کی یہ ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا جان گداز اور روح فرسا واقعہ اسی مہینہ میں پیش آیا، چنانچہ مشہول قول کی بنا پر بارہ ربیع الاول پیر کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ جلد ۳/صفحہ ۱۷۳)

گویا مشہور قول کی بنا پر تاریخ ولادت ووفات ایک ہی ہے، اب خوشی منائیں تو کس طرح اور ماتم کریں تو کس طرح؟ اس لئے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدمہ اور سلف صالحین کے عمل کو دیکھنا ہوگا۔

اظہار خوشی کا صحیح طریقہ:

یقیناً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ایسی نعمت ہے کہ اس پر خوشی منائی جائے اور خوشی منانے کا حکم بھی ہے، لیکن ایک سچے مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ خوشی ہو یا غمی پہلے وہ شریعت اسلامیہ کو و دیکھے کہ وہ کیا کہتی ہے، اور خوشی کو کس طرح انجام دینے کی اجازت دیتی ہے کیا یہی طریقہ ہے جو آج کل کے مدعیان محبت انجام دیتے ہیں اور کیا صرف زبانی اظہار محبت سے یہ فریضہ پورا ہو جائے گا۔

خراج عقیدت ادا کرنے والو!
خراج عقیدت سے کیا کام ہوگا
یہی ہے زبانی محبت کا عالم
تو دین ہدی اور بدنام ہوگا

آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جاں نثار صحابہ کرام اور خلفائے راشدین جو درسگاہ نبوت کے تربیت یافتہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا پر مر مٹنے والے قرآن کریم اور منشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم میں سب سے بہتر سمجھنے والے تھے، مگر ان کے یہاں اس متعارف اظہار مسرت وخوشی کا کہیں ذکر نہیں، آخر ان کی سمجھ میں یہ طریقہ کیوں نہیں آیا، جب کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے رگ وریشہ میں خون کی طرح سرایت کئے ہوئے تھی، پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین حضرات سے لیکر ائمہ مجتہدین اور محدثین تک کسی نے یہ طریقہ کیوں نہیں اپنایا، ان کے سامنے کیا مجبوری تھی؟ بس مجبوری یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو عید منانے کے لئے صرف دو دن عطا کئے گئے ہیں، یکم شوال اور دسویں ذی الحجہ، اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ بات پسندیدہ ہوتی کہ یوم ولادت نبویہ کو خوشی کا اظہار کیا جائے اور عید منائی جائے تو اس کا ضرور حکم دیا جاتا اور ایسا کیونکر ہوتا جب کہ وہی دن، وہی تاریخ، وہی مہینہ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی مقدر تھی، جو حزن وملال کا دن ہے، کیونکہ اس حادثہ عظمیٰ سے امت نبوت ورسالت کے فیوض وبرکات اور وحی الٰہی کے انوار وتجلیات سے محروم ہوگئی۔

بارہ ربیع الاول کا روزہ:

پہلے یہ لکھا جا چکا ہے کہ راجح قول کی بنا پر تاریخ ولادت ۸/ربیع الاول ہے نہ کہ بارہ ربیع الاول، دوسری بات یہ ہے کہ روزہ رکھنا عبادت اور بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے، لیکن وہ عبادت جس کو شریعت اسلامیہ نے کسی زمان ومکان کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا، اس کو کسی زمانہ کے ساتھ عبادت اور فضیلت کے تصور سے مخصوص کرنا یہ دین نہیں بلکہ بے دینی، بدعت اور شریعت کے اندر اپنی طرف سے بیجا مداخلت ہے، شریعت اسلامیہ نے ہر ایسی چیز کو ناجائز اور ناقابل عمل قرار دیا ہے جو بے اصل اور دین نہ ہو، مشہور حدیث ہے: "مَنْ اَحدَثَ فِیْ اَمرِنَا ھذا مَالَیسَ مِنہُ فَھُوَ رَدٌّ" جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین نہیں ہے تو وہ مردود یعنی ناقابل عمل ہے۔ (مسلم شریف جلد ۲/صفحہ ۷۷)

البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ اور ہر ماہ پیر کا روزہ رکھنا

ثابت ہے نہ کہ صرف ربیع الاول کے پیر کو اور اس کی وجہ مسلم شریف کی مذکورہ بالا حدیث میں مذکور ہے: ’ذٰلک یوم ولدت فیہ وانزل علی فیہ‘ یعنی اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھے نبوت عطا ہوئی، لہٰذا آپ کی اتباع میں پیر کے دن روزہ رکھنا سنت وعبادت ہے نہ کہ بارہ ربیع الاول کو۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

اس عید کی بدعت اور ناجائز ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث مذکور ”مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ کے تحت داخل ہوکر بدعت اور ناقابل عمل ہے، دوسرے اس عید میں منکرات کا پایا جانا مثلاً غیر صحیح اور بے سند روایتوں کا پڑھنا، شرکیہ اشعار وغزلیں پڑھنا، مردوں، عورتوں کا اختلاط، فساق وفجار اور نابالغ لڑکوں کا اجتماع اور ان سے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھوانا روشنی اور شیرینی کا ضرورت سے زیادہ التزام یہ تمام چیزیں بھی اس کے جواز سے مانع ہیں۔

ساتویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف بزرگ علامہ ابن الحاج اپنی کتاب ’’المدخل‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں: وَجُمْلَةُ مَا اَحْدَثُوْهُ مِنَ الْبِدَعِ مَعَ اِعْتِقَادِهِمْ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ اَكْبَرِ الْعِبَادَاتِ وَاِظْهَارُ الشَّرَائِعِ مَايَفْعَلُوْنَهٗ فِیْ شَهْرِ رَبِیْعُ الْاَوَّلِ مِنَ الْمَوْلِدِ وَقَدْ اِحْتَوٰی عَلٰی بِدَعٍ وَمُحَرَّمَاتٍ“۔

من جملہ ان بدعات کے جو لوگوں نے گھڑلی ہیں اور اسکے ساتھ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سب سے بڑی عبادت اور دین کی نشرواشاعت ہے وہ بدعات ہیں جو ماہ ربیع الاول میں مجلس مولد کے نام سے کی جاتی ہیں، حالانکہ یہ مجلس بہت سی بدعات ومحرمات پر مشتمل ہے۔(المدخل جلد۱/صفحہ۲۶۱)

نیز ایک اور حدیث سے بھی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے، آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:” لاتجعلوا قبری عیداً“، میری قبر کو عید مت بناؤ۔(ابوداؤد جلد۱/صفحہ۲۷۹)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر شریف کو عید منانے سے منع فرمایا ہے، البتہ زیارت سے منع نہیں فرمایا، زیارت دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے ملا ہوا ہے وہ عرش عظیم سے افضل ہے کیونکہ عرش کو جو شرف وفضیلت حاصل ہے وہ اس لئے ہے کہ عرش اللہ تبارک وتعالی کی تجلی گاہ ہے، وہ ذات باری تعالی کا مسکن نہیں کیونکہ ذات باری تعالی اس سے پاک ہے، تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قبر مبارک جسم اطہر کے ساتھ بعینہ باقی ہے، بخلاف یوم ولادت کے وہ بعینہ باقی نہیں بلکہ اس کا مثل لوٹتا ہے، تو جو چیز سب سے افضل اور بعینہ باقی ہے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عید بنانے سے منع فرمادیا تو اب جو چیز باقی نہ ہو اس کو عید بنانے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو خصوصیت کے ساتھ جگہ جگہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں اور علماء کرام کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر خوب تقریریں ہوتی ہیں، اور ان جلسوں میں ایسی رسمیں ادا کی جاتی ہیں جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی اور تقریباً ان جلسوں کی نقل ہوتی جو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کچھ حضرات کرتے ہیں اور پھر ایک سال کے لئے اس عنوان کو بند کردیا جاتا ہے۔

کیا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ بیان کرنے کا یہی شرعی طریقہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اتنی مختصر ہے کہ سال میں ایک مرتبہ چند گھنٹوں میں امت تک پہنچا کر فارغ ہوجائیں؟ کیا نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا یہی تقاضہ ہے:

یہ ذوق اطاعت سے خالی عقیدت
عقیدت نہیں صرف بازیگری ہے

جو ایثار و اقدام سے جی چرائے
محبت نہیں صرف بازیگری ہے

سب سے پہلے مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ شریعت اسلامیہ نے ہر کام کے لئے قاعدہ اور حد مقرر کر رکھی ہے اگر اس حد کے اندر وہ کام انجام دیا جائے تو عبادت ہے اور اگر حد سے تجاوز ہو گیا تو وہی عبادت بدعت بن کر باعث گناہ بن جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص مغرب کی تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھنے لگے تو کوئی بھی شخص اس کی نماز کو جائز نہیں کہتا بلکہ سب اس کو گناہ کہتے ہیں، کیونکہ شریعت نے جو حد مقرر کی تھی وہ اس دائرہ شریعت سے نکل گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وحالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فریضہ بلکہ ساری اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے اور مسلمانوں کی فلاح وکامیابی اسی میں منحصر ہے اور یہ کوئی نیا فریضہ اور نئی ضرورت نہیں کہ جو آج پیدا ہوئی ہو، بعث نبوی کے بعد سے اس کی ضرورت تھی بلکہ اس وقت زیادہ تھی کیونکہ شریعت نبویہ مدون نہیں ہوئی تھی بلکہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھی، لیکن ان سب کے باوجود قرون اولی بلکہ اس کے بعد تک اس کی ایک بھی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی کہ اس کام کے لئے مسلمانوں نے اس قسم کے جلسوں کا انعقاد کیا ہو، ان کے یہاں تو سیرۃ مقدسہ عام مسلمانوں کے نصاب تعلیم کا جز تھی اور جو لوگ بالکل ہی پڑھنے پڑھانے سے جدا رہے ان کے لئے پورے سال بغیر کسی دن وتاریخ کی تعیین اور بغیر رسوم مروجہ کے علماء کرام کے مواعظ ہوتے رہتے تھے۔

حدیث پاک میں صحابہ کرام کی اس قسم کی مجلسوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے، رشد وہدایت کا وہی طریقہ موافق شرع اور زیادہ بہتر ہوگا جس کو اس امت کے پہلے لوگوں نے انجام دیا ہو، حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولم یأت آخر ھذہ الامة باھدی مما کان علیه اولها“۔ (الاعتصام للشاطبی جلد۲ صفحہ ۳۰)

اس امت کے آخری لوگ امت کے پہلے لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر دم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر زبان پر رہے، اور آپ کی سیرت مبارکہ کو ہر مکتب مدرسہ اسکول کا جزء لازم قرار دیا جائے، اور عوام کو ہمیشہ مواعظ کے ذریعہ اس پر مطلع کیا جائے، خالی زبانی دعوؤں اور بے روح لفظوں سے کچھ نہیں ہوتا:

یہ سچ ہے کہ میلاد وسیرت کے جلسے
بظاہر ہیں بام سعادت کے زینے
یہ سچ ہے کہ نعت محمد کے موتی
ہیں ایمان کی انگشتری کے نمونے
مگر اے قصیدہ گرو یہ تو سوچو!
کہ بے روح لفظوں کی قیمت ہی کیا ہے
بنے ہیں کہیں نقش آب رواں پر
چلے ہیں کہیں خشکیوں میں سفینے

لہٰذا خاص طور پر بارہ ربیع الاول کو جلسہ کرنا اور اس میں وہ چیزیں انجام دینا جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی مثلاً عید کی طرح خوشی منانا ضرورت سے زائد روشنی وغیرہ کا انتظام کرنا، جلوس نکالنا جیسا کہ بعض جگہوں پر رواج ہے، اس ہیئت کے ساتھ یہ جلسے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں سے کچھ کم نہیں، جس کے متعلق ہمارے تمام اکابر کا فتوی شائع شدہ ہے کہ میلاد مروج بدعت ناجائز اور قابل ترک ہے، لہٰذا اس قسم کے جلسے منعقد کرنا اور اس میں شرکت کرنا ایک لمحہ فکریہ ہے:

اٹھو مومنو! آج سے عہد کرلو
حبیب خدا کی اطاعت کروگے
عقیدت کے پہلو بہ پہلو عمل سے
حقیقت میں تعمیل سنت کروں گے

❁❁❁❁

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

نام کتاب: اسلام اور ہمارے اعمال

نام مصنف: مولانا نسیم اختر شاہ قیصر

صفحات: ۲۷۲/ قیمت: ۱۶۰/روپے

ناشر: ازہر اکیڈمی، شاہ منزل محلّہ خانقاہ، دیوبند

زیر تبصرہ کتاب ''اسلام اور ہمارے اعمال'' دارالعلوم وقف دیوبند کے استاد اور قلم کے شہسوار مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کی ایک عمدہ تصنیف ہے، جس کو موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے تحریر کیا ہے، مولانا ایک زبردست قلمکار ہیں، جب لکھتے ہیں تو ان کا قلم موتی بکھیرتا ہے، ان کی اس کتاب کے بارے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مدظلہ العالی اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ کتاب دینی مضامین کے مجموعے پر مشتمل ہے، اس میں مختلف عناوین کے تحت مختصر مقالات تحریر کئے گئے ہیں، گویا یہ کتاب دینی اور تربیتی مضامین سے عبارت ہے''۔

اسی طرح مولانا ندیم الواجدی صاحب مدیر ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' نے اس کتاب کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس کتاب میں اعمال صالحہ کی نشان دہی کی گئی ہے، جن سے ایک مؤمن ''کامل الایمان'' بن سکتا ہے، ایک نفس تزکیہ وطہارت کا اعلیٰ مقام حاصل کرسکتا ہے اور ایک بندہ اپنے خالق ومالک کا تقرب حاصل کرسکتا ہے''۔

گویا یہ کتاب مولانا کے ادبی لٹریچر کا شاندار پرتو اور اردو ادب کے کتب خانہ میں ایک شاندار اضافہ ہے، جس کا ہر عنوان انسانی زندگی کو معطر کرنے اور تبدیلی لانے کی دعوت دیتا ہے بشرطیکہ اس کتاب کے عناوین کو غور سے پڑھا جائے، اس کا ہر موضوع سدا بہار ہے، قارئین سے امید کی جاتی ہے کہ اس کتاب کو حاصل کرکے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے، کتاب مجلد اور ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ ہے۔

❁❁❁

نام کتاب: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں؟

نام مؤلف: کیو، ایس، خان، سوناپور بھانڈوپ، ممبئی

صفحات: ۱۰۴/ قیمت: ۵۰/روپے

ناشر: فرید بک ڈپو، پٹودیہ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی

زیر نظر کتاب ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں؟'' ایک سوالیہ انداز میں جناب انجینئر قمرالدین صاحب نے قارئین کے سامنے پیش کی ہے، یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، صاحب کتاب نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: ''اس کتاب کے الگ الگ مضامین میں الگ الگ حقیقتیں ہیں، اگر آپ پوری کتاب پڑھے بغیر کسی ایک مضمون سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کریں گے تو گمراہ ہوسکتے ہیں'، اس لئے اس کتاب کو باریک بینی اور مکمل پڑھنے کی کوشش کریں، تاکہ صحیح باتوں تک رسائی آسانی سے ہوجائے۔

اس کتاب میں قمرالدین صاحب نے قرآنی آیات کا ترجمہ مولانا احمد رضا خانصاحب بریلویؒ اور مولانا فتح محمد صاحب جالندھریؒ کے ترجموں سے لیا ہے، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے یا نہ ہونے کی سائنس، ٹیکنالوجی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑے خوبصورت انداز میں گرہ کشائی کی ہے اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی ہے، مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کو غیر جانبدار ہوکر پیش کرنے کی اچھی کوشش کی ہے، ایسے وقت میں جبکہ لوگوں کے پاس وقت نہیں ہے، عوام تو عوام خواص بھی بعض وقت علمی اور تحقیقی چیزوں سے پہلوتہی کر جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ مسئلہ کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسئلہ کو اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے، تاکہ ہر طرح کے الجھاؤ سے بچا جاسکے، بہر حال اس موضوع پر یہ مختصر رسالہ قارئین کے لئے بہت مفید ومعاون ثابت ہوگا، امید ہے کہ قارئین اس کتاب کو حاصل کرکے پڑھیں گے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔

❁❁❁